اپریل/مئی/جون

سلسلہ امدادیہ اشرفیہ کا ترجمان

فیضانِ حکیم الامت

تھانہ بھون

اشاعت کا سولھواں سال

ارشاد

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

میں ہمیشہ قرض اس سے لیتا ہوں جو انکار کر سکے اور کسی قسم کا اس پر اثر یا دباؤ نہ ہو، ان امور کا ضرور خیال کرنا چاہیے۔

(ص:94)

مدیر بدر الحسن شعیب تھانوی

ادارۂ تالیفات اشرفیہ

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ
KHANQAH IMDADIA ASHRAFIA

سلسلۂ امدادیہ اشرفیہ کا ترجمان

فیضانِ حکیم الامت تھانہ بھون

شوال المکرّم، ذی قعدہ، ذی الحجہ ۱۴۴۵ھ
اپریل، مئی، جون ۲۰۲۴ء

جلد: 16
2

- سیّد الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ
- حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ
- امامِ ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ
- حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

اور اِن سے وابستہ مشائخ عظام اور اکابر علماء کے اصلاح وتربیت، فکرِ آخرت، اتباعِ سنت، حق تعالیٰ کی معرفت اور عظمت ومحبت پر مشتمل مضامین کا بہترین مرقع، جو ہر تیسرے ماہ شائع ہوتا ہے۔

مدیر: سیّد بدر الحسن شعیب تھانوی

زرِ تعاون: فی شمارہ: ۳۰/روپے، سالانہ: ۱۲۰/روپے

ادارہ تالیفات، اشرفیہ، تھانہ بھون، ضلع شاملی
Idara Talifat-e-Ashrafia
Thana Bhawan, Distt: Shamli, Pin: 247777 U.P (India)
Mobil: 9927016478 - 9927031090
E-mail: shuaibthanwi@gmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آئینۂ ترتیب

حرفِ آغاز .... سید نجم الحسن تھانوی ۳

درسِ قرآن .... مفتی رشید احمد لدھیانوی قدس سرہٗ ۸

درسِ حدیث .... مفتی رشید احمد لدھیانوی قدس سرہٗ ۱۰

درسِ مثنوی .... حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۳

ملفوظات حکیم الامتؒ .... حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ۱۴

چودھویں صدی کا عظیم مصلح .... حکیم محمود ظفر سیالکوٹ ۱۷

پُرمغز نصائح .... شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد تھانوی عثمانی رحمہ اللہ ۲۰

افادات: مصلح الامتؒ .... مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ ۲۲

مسیح الامت کی باتیں .... مفتی رشید احمد میواتی رحمہ اللہ ۲۶

افاداتِ حکیم الاسلام .... حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ ۲۸

افاداتِ عارفیؒ جذبہ تبلیغ .... حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہٗ العالی ۳۰

رحمتِ خداوندی کا عجیب واقعہ .... فقیہ الملت حضرت مفتی عبدالرحمٰن صاحبؒ ڈھاکہ ۳۲

صوفیاءِ کرام کی سیاسی اور سماجی جدوجہد .... مفتی اکرام اللہ صاحب شاہ جہان پوری ۳۵

دینی کام کرنے والوں کے لیے ہدایات .... مفتی رشید احمد لدھیانوی قدس سرہٗ ۳۸

سلوک وتصوف .... عزیز الرحیم دانش امدادی ۴۰

اسلام کی تبلیغ میں حسنِ اخلاق کا کردار .... ماخوذ ۴۳

ایک دُلہن کی قابلِ رشک موت .... ماخوذ ۴۶

سکون کا گُر .... ماخوذ ۴۸

حرفِ آغاز

قوتِ برداشت پیدا کیجیے

سید نجم الحسن تھانوی

نحمدهٗ ونصلّي علىٰ رسوله الكريم أمابعد:

صبر وضبط، حلم وبرداشت، ایثاروقربانی درگزر، رواداری اور صلہ رحمی، یہ وہ صفات ہیں جو ہرانسان کے اندر پائے جانی چاہئیں، قرآن وحدیث کی تعلیمات میں ہمیں ہرمعاملے میں اِن کو اختیار کرنے کی تاکید وترغیب دی گئی ہے۔

انسانی جسم میں ظاہری اعضاء کی طرح کچھ باطنی کیفیات بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رکھی گئی ہیں، اُن حالتوں کی ظاہری شکل البتہ کوئی نہیں؛ لیکن یہ برتاؤ، رویوں اور سلوک کے ذریعہ محسوس کی جاتی ہیں۔ انسان کے اندر چھپی اِن کیفیات وحالتوں میں ایک کیفیت وحالت کو برداشت کا نام دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جن بھلائیوں اور نیکی کے کاموں یعنی اعمالِ خیر کا حکم دیا ہے اُن میں ایک نیک عمل برداشت اورتحمل ہے۔

آج کے دَور میں ماحول پر نظر ڈالتے ہوئے اُس کی ضرورت واہمیت کا اندازہ ہر صلح پسند اور امن وآشتی کا خواہاں مسلمان بخوبی کرسکتا ہے۔

برداشت اور تحمل کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں یا دین کی خاطر خواہ کتنے ہی مصائب ومشکلات اور کٹھنائیاں پیش آئیں اُن کو صبر اور حوصلہ کے ساتھ برداشت کیا جائے، اللہ تعالیٰ پر پورا بھروسہ رکھا جائے، اور کسی بھی حالت میں مایوس نہ ہوا جائے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ کسی ماتحت اور دوست واحباب یا کسی مسلمان بھائی سے کوئی قصور ہوجائے جس کی وجہ سے غصہ آجائے تو اُس غصہ کو پی لیا جائے، یعنی غصہ پر قابو پاکر قصوروار کو معاف کردیا جائے۔

اِسی طرح زبان یا ہاتھ سے بدگوئی یا بُرائی کو بھی برداشت کرلیا جائے، عفوودرگزر کی صفت اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

درگزر کی صورت میں انسان دوسروں سے صلح اور اپنے حق سے دست برداری کرتا ہے، اگر چہ زیادتی کرنے والا صریح ظلم وجور ہی کیوں نہ کر رہا ہو؛ لیکن دینی معاملے میں درگزر کرنا اخلاق نہیں؛ بلکہ دین پر ظلم اور کھلی بداخلاقی ہے۔

سلفِ صالحین کے اخلاق میں سے ایک یہ ہے کہ جو اُن کو تکلیف دیتا خواہ مارتا یا اُن کا مال چھین لیتا یا اُن کی بےعزتی کرتا تو اُن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے معاف کر دیتے؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے بھی اپنا بدلہ نہ لیتے؛ البتہ اگر محرمات کی حد توڑی جاتی اور فرائض کی ذرا سی بھی بےحرمتی ہوتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ شدت سے کام لیتے۔

ہماری باہمی معاشرت میں غیظ وغضب اِس قدر سرایت کر گیا ہے کہ اگر مظلوم شخص صبر کا ثبوت دینے اور معاملہ کو رفع دفع کرنے کے لیے برداشت کا مظاہرہ کرے تو اُسے بزدلی سمجھا جاتا ہے۔

باہمی رنجش چھوٹی چھوٹی بات پر دست وگریباں ہوجانا۔ لڑائی جھگڑے زندگی کے معمول بن گئے، خواہ اُن کا تعلق گھریلو معاملات، کاروباری معاملات یا معاشرتی معاملات سے ہو، ہر جگہ معمولی معمولی بات کا بتنگڑ بنا کر پورے جوش وخروش کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اور موقع ہاتھ آتے ہی غیظ وغضب کے ارمان نکالے جاتے ہیں۔ دشمنی کے آتش فشاں پہاڑ کے پھٹنے میں زہریلی زبان کی ایک چنگاری ہی کافی ہوتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ غصہ عموماً حماقت سے شروع ہوتا ہے اور ندامت پر ختم ہوتا ہے۔

غصہ کا مطلب ہے دوسروں کی غلطی کا اپنی ذات سے انتقام لینا، غصہ آپ کی عقل کا امتحان ہے، صبر وضبط کی جانچ اور بُردباری کی کسوٹی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ عمر بیت جاتی ہے؛ لیکن مزاج کی تیزی اور قوتِ برداشت نہ ہونے کی وجہ سے آدمی ذلت وخفت سے دوچار ہوجاتا ہے، کمالِ عزم وضبط اور صبر وثبات پیغمبرانہ صفات ہیں، لہٰذا پر تحمل کے لیے مثالی حوصلے اور بڑے دل وجگر کی ضرورت ہے۔

درگزر کو اختیار نہ کرنے کا ہی نتیجہ ہوتا ہے کہ ہم میں سے اکثر لوگ معمولی بات پر سیخ پا ہوکر دوسرے انسان کا خون کر بیٹھتے ہیں اور جب اُنہیں تعزیر وسزا کے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، تو تأسف اور پچھتاوا اُنہیں جینے نہیں دیتا، زندگی کے نشیب وفراز میں کئی موقع ایسے آتے ہیں کہ قوتِ برداشت نہ ہونے کی وجہ سے آدمی نقصان اٹھاتا ہے اور بعد میں حسرت کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

لٰہذا ہمیں چاہیے کہ زندگی کو پُرسکون بنانے کے لیے اِن باتوں پر عمل کریں:

(۱)-ہم دل سے نفرت کو ختم کردیں۔

(۲)-ہم اپنے ذہن کو خواہ مخواہ پریشان نہ کریں۔

(۳)-ہم اپنی زندگی میں خیرخواہی کو جزبنالیں۔

(۴)-اپنے آپ سے ہٹ کر دوسروں کی خوشی کے بارے میں سوچیں۔

اسلام کا مزاج صبروتحمل، ایثاروقربانی اور برداشت کا تقاضہ کرتا ہے، اور اسلاف کے واقعات بھی یہی بتاتے ہیں۔

نرمی سے محروم شخص خیرِکثیر سے محروم ہے، تمام موجودات میں سب سے مشکل چیز صبر ہے، جو کبھی محبوب وپسندیدہ چیزوں کے چھوٹنے پر کرنا پڑتا ہے اور کبھی ناپسندیدہ وتکلیف دہ حالات کے پیش آنے پر۔

صبر کے لفظی معنی ہیں کسی چیز کو باندھ کر رکھنا، شریعت میں صبر کہا جاتا ہے: ''حَبْسُ النَّفْسِ عَلٰی مَایَکْرَہُ'' یعنی اپنے نفس کو قابو میں رکھنا کہ حد سے تجاوز نہ کرنے پائے۔

صبر وہی ہے جو اپنے وقت پر ہو، وہی صبر باعثِ اجر ہے جو ارادہ اور اختیار سے مصیبت کو دبانے کے لیے کیا جائے، مدت گزر جانے کے بعد تو ہر ایک کو صبر آہی جاتا ہے، وہ باعثِ اجر نہیں ہوتا۔

اسی طرح بدلہ لینے کی قدرت حاصل ہونے پر عفوودرگزر اور برداشت سے کام لینا گویا قصوروار کو معاف کردینا اور قدرت کے باوجود اُس سے انتقام نہ لینا ایک اچھا انتقام اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت پسندیدہ عمل ہے ﴿وَالْیَعْفُوْا وَالْیَصْفَحُوْا﴾ معاف کرو اور درگزر سے کام لو۔ ﴿اَلَاتُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ

اللّٰـهُ لَـكُمْ“ کیاتم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں (تمہارے قصور) معاف کرے ﴿وَاللّٰـــهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اوراللہ بخشنے والامہربان ہے۔

اگر کوئی شخص واقعی مظلوم ہے اور وہ ناحق ظلم وزیادتی کا شکار ہوا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اُسے مجبور اور پابند نہیں کیا کہ وہ لازماً عفو ودرگزر سے کام لے؛ البتہ یہ پابندی عائد کردی گئی ہے کہ بدلہ کی مقدار اُسی قدر رہو جس قدر زیادتی کی گئی ہو؛ کیوں کہ حد سے بڑھ کر بدلہ لینے والاخود ظالم بن جاتا ہے۔

شیخ سعدیؒ نے ہارون رشیدؒ کا ایک واقعہ گلستاں میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ اُن کا بیٹا باپ کے پاس شکایت لے کرآیا کہ مجھے فلاں سپاہی کے لڑکے نے ماں کی گالی دی ہے۔

ہارون رشید نے ارکانِ دولت سے مشورہ کیا، تو کسی نے رائے دی کہ اُس کی زبان کھنچوالی جائے، دوسرے نے کہا کہ اُس کو ملک بدر کردیا جائے، ایک نے مشورہ دیا کہ اُس کوجیل خانہ میں ڈال دیا جائے۔

ہارون رشید نے کہا کہ بیٹا مکارمِ اخلاق یہی ہے کہ تم اُس کومعاف کردو، اوراگر تم سے برداشت نہیں ہوتا،تو ﴿وَجَـــزَآءُ سَيِّـئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ (بُرائی کا بدلہ اُتنی بُرائی ہے) تم بھی اُس کی ماں کوگالی دیدو؛ لیکن شرط یہ ہے کہ جتنی اُس نے دی تھی اُتنی دو اُس سے زیادہ نہیں؛ کیوں کہ اگر اُس سے زیادہ دوگے تو تم ظالم بن جاؤ گے اور تمہارا مخالف مظلوم بن جائے گا۔

اسی لیے بدلہ لینے کی اجازت کے ساتھ یہ بھی فرمادیا ﴿وَلَـئِنْ صَبَـرْتُـمْ لَهُـوَخَيْـرٌ لِّلـصّٰـابِرِيْنَ﴾ لیکن اگرتم صبر کروتو یقیناً صبر کرنے والوں کے حق میں بہتر ہے، گویا بدلہ لینے کی قدرت حاصل ہونے پرعفوودرگزر اور برداشت سے کام لینا اللہ کی خوشنودی کا باعث بنتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم کسی کی بُرائی سے درگزر کروگے اور اُسے معاف کردوگے تو اللہ کی صفت بھی یہی ہے کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے تمہارے لیے بھی معافی کا دروازہ کھولے گا۔ یعنی تمہارے گناہوں سے بھی درگزر فرمائے گا۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن ایک پکارنے والا پکارے گا:

کہاں ہیں وہ لوگ جو لوگوں کی خطائیں معاف کردیا کرتے تھے، وہ اپنے پروردگار کے حضور میں آئیں اور اپنا انعام لے جائیں؛ کیوں کہ ہر مسلمان جس کی یہ عادت تھی بہشت میں داخل ہونے کا حق دار ہے۔

جو آدمی چاہتا ہے کہ قیامت کے دن اُس کے درجے بلند ہوں، اُس کو چاہیے کہ وہ اُس آدمی سے درگزر کرے جس نے اُس پر ظلم کیا ہو، اور اُس کو دے جس نے اُس کو نہ دیا ہو، اور اُس کے ساتھ رشتہ جوڑے جس نے اُس سے رشتہ توڑا ہو، اور اُس کے ساتھ تحمل کرے جس نے اُس کو بُرا کہا ہو۔

(رواہ الخطیب وابن عساکر)

درگزر سے کام لینا نیکی اور ذہنی آسودگی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ جو شخص اپنی خطاؤں کو معاف کرانے کی خواہش کرتا ہے اُس کے اندر دوسروں کے لیے بھی درگزر کا جذبہ موجود ہوتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب انسانوں سے بڑھ کر حلیم الطبع بنایا اور غیر معمولی قوتِ برداشت سے نوازا تھا۔

مشرکینِ مکہ نے آپ کو طرح طرح سے ستایا آپ کے راستہ میں کانٹے بچھائے، آپ کی شان میں گستاخیاں کیں، بدزبانی اور ایذارسانی کی انتہا کردی تھی، مصائب وآلام کے پہاڑ توڑنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، یہاں تک کہ آپ کو گھر بار چھوڑنا پڑا؛ لیکن پوری سیرتِ طیبہ گواہ ہے کہ اپنی ذات کے لیے آپؐ کے دل میں ایک لمحہ کے لیے بھی انتقام کا جذبہ پیدا نہیں ہوا، آپ اُن پر غضب ناک ہونے کے بجائے اُن پر ترس کھاتے تھے، کبھی بُرائی کے بدلے بُرائی نہ کرتے؛ بلکہ معاف فرمادیتے اور درگزر کرتے تھے۔ اِس سلسلہ میں بھی محسنِ انسانیت حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ ہمارے لیے دین ودنیا میں کامیابی کا ضامن اور عظیم راز ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سلفِ صالحین کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے دارین کی سُرخ روئی سے نوازے اور ہمیں صبر وشکر اور تحمل وبرداشت والی پُرسکون زندگی عطا فرمائے۔ آمین

❑❖❑

درسِ قرآن

اللہ کی محبت ایمان کی بنیاد

مفتی رشید احمد صاحب

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْـدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾.

فرمایا کہ دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں: بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیر اللہ کو معبود بنا رکھا ہے اور اُن کو غیر اللہ کے ساتھ اتنی محبت ہے جتنی اللہ کے ساتھ ہونی چاہیے اور جو ایمان والے ہیں اُنہیں دنیا کی ہر چیز سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت ہوتی ہے۔ یہاں ایمان کی علامت یہی بتائی گئی ہے کہ اللہ کی محبت سب سے زیادہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لَايُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ". (صحيح بخاری)

"تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اُس کے نزدیک اُس کے والد اور اُس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔"

اِس ارشادِ گرامی سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبت ہونا، اِن دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت درحقیقت اللہ ہی کی محبت ہے، سو ایمان کے یہ معنی ٹھہرے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبت ہو۔

اِس آیت اور حدیث سے یہ بات خوب واضح ہوگئی کہ ایمان کی بنیاد اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے۔ جس پر

ایمان کا دعویٰ ہے، اُس نے ایمان کے صحیح ہونے کا معیار بتادیا۔

اگر ایمان کا دعویٰ اس معیار کے مطابق ہے تو ٹھیک؛ ورنہ یہ مدعی جھوٹا ہے۔

وَكُلٌّ يَدَّعِي وَصْلًا بِلَيْلٰى
وَلَيْلٰى لَاتُقِرُّ لَهُمْ بِذَاكَ

''لیلیٰ کے ساتھ محبت کے مدعی تو بہت ہیں؛ لیکن وہ لیلیٰ بھی تو مانے، اُس سے پوچھو وہ کیا کہتی ہے؟''

یوں تو ہر شخص یہ کہے گا کہ اُسے اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے؛ لیکن یہ کیسے پتا چلے کہ محبت ہے یانہیں؟ اِس سے متعلق دو باتیں سمجھ لیں:

(۱)-محبت کی ابتداء کیا ہے؟

(۲)-محبت کی انتہاء کیا ہے؟

محبت کی ابتدا:

محبت کی ابتدا یہ ہے کہ محبوب سے اِتنی محبت ہوجائے کہ محبوب کی کبھی نافرمانی نہ کرے، خود اللہ تعالیٰ نے محبت کا یہ معیار ارشادفرمادیا ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ، وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ، فَاِنْ تَوَلَّوْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ○﴾

اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے علاوہ عقل کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ محبوب کی نافرمانی کا تحمل نہیں ہوتا۔ خود فیصلہ کرلیں کہ یہ بات عقل کے مطابق ہے یانہیں؟

تعصى الرّسول وأنت تظهر حبه
هذا لعمري في الفعال بديع
لو كان حبک صادقًا لا طعته
أن المحب لمن يحب مطيع

جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتے ہوئے محبت کا دعویٰ کرے وہ اپنے اس دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

(جاری)..................

درسِ حدیث

مفتی رشید احمد

ایمان کی کسوٹی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”لَایُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ“

”تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اُس کے نزدیک اُس کے والد اور اُس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں“

اِس ارشادِ گرامی سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبت ہونا، اگر اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت درجۂ عشق میں ہو تو ایمان کا دعویٰ قبول ہوگا؛ ورنہ نہیں......!

اب عشق و محبت کے معیار سے متعلق قرآنِ کریم کا فیصلہ سنیے......! سورۂ عنکبوت کی پہلی آیت کا ترجمہ ہے: ”کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اِتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور اُن کو آزمایا نہ جائے گا؟ اور ہم تو اُن لوگوں کو آزما چکے ہیں جو اُن سے پہلے گزرے ہیں......سو اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جان کر رہے گا جو سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا۔“

اِس دستورِ الٰہی کے متعلق کبھی آپ نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارا کیا امتحان لیا اور اس امتحان میں ہم کیسے رہے؟ یا ہر امتحان میں فیل ہی ہوتے رہے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ دعویٰ کیسے قبول ہوگا؟

ایمان کا معیار

یہ کیسے معلوم ہو کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے ساتھ پوری دنیا کی بہ

نسبت زیادہ محبت ہے یا نہیں؟ یہ معلوم کرلینا بہت آسان ہے، اِس کا معیار اور کسوٹی سمجھ لیجیے……!وہ معیار یہ ہے کہ جب دو محبوبوں کا حکم آپس میں متضاد ہو یعنی ایک پر عمل کرتے ہیں تو دوسرے کے خلاف ہوتا ہے، دوسرے پر عمل کرتے ہیں تو پہلے کے خلاف ہوتا ہے، ایک محبوب کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں تو دوسرا محبوب ناراض ہوتا ہے، تو ایسے موقع پر انسان جس کے حکم کی تعمیل کرے گا اور جس کی رضا کو مقدم رکھے گا، گویا اُس کو اُس کے ساتھ زیادہ محبت ہے……

ذرا اپنے قلوب کو اِس معیار پر لائیے، تجسس کیجیے، ٹٹولیے اور پھر انصاف سے بتائیے کہ کیا واقعتاً آپ کو پوری دنیا کی بہ نسبت اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبت ہے؟

اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مقابلہ میں بیوی کا تقاضا کچھ اور ہے؟ والدین کا، بھائیوں کا، بہنوں کا دوسرے اعزّہ و اقارب، احباب اور حکام کے مطالبے کچھ اور ہیں…… اِن حالات میں اگر آپ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں تو اُن کے ساتھ محبت اور اُن پر ایمان کا دعویٰ قابلِ قبول ہوگا ورنہ نہیں……! پوری دنیا راضی رہے یا ناراض، کچھ بھی ہوجائے ہر حال میں دل کا تقاضا یہ رہے، فکر اِس بات کی رہے کہ کہیں محبوبِ حقیقی ناراض نہ ہوجائے۔

اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا پر دنیا بھر کی رضا کو قربان کردے اور کسی کی ناراضی کی کوئی پرواہ نہ کرے۔

اِسی طرح جو گناہوں کے تقاضے پیدا ہوتے ہیں اُن کا بھی یہی حال ہے، اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ایک طرف اور اُس کے مقابلہ میں نفس کا حکم دوسری طرف۔ نفس یہ مطالبہ کرتا ہے کہ فلاں گناہ کرو، فلاں گناہ کرو؛ مگر اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہ ہے کہ کبھی اُن گناہوں کے قریب بھی نہ جاؤ، اِس موقع پر اگر آپ نفس کا تقاضا پورا نہیں کرتے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں، محبوب کو راضی رکھنے کے لیے مجاہدہ کرتے ہیں اور نفس کے تقاضے کو پورا

نہیں کرتے، تو یہ اِس کی دلیل ہے کہ محبت اور ایمان کا دعویٰ صحیح ہے ورنہ نہیں......!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں انسانوں کی تقسیم کردی، بعض وہ ہیں کہ اُن کو اللہ تعالیٰ کی بہ نسبت غیر سے زیادہ محبت ہے، اور دوسرے وہ ہیں کہ اُن کو پوری دنیا کی بہ نسبت اللہ سے زیادہ محبت ہے، بس صرف دو ہی قسمیں ہیں، اب ہم سوچ لیں کہ ہم کس قسم میں داخل ہیں......!

قرآن وحدیث سے ثابت ہوگیا کہ ایمان وہی قبول ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ محبت ہو، ایمان بنانے کے لیے درج ذیل نسخوں کا استعمال بہت مفید ہوگا:

غور وفکر اور محاسبۂ نفس

روزانہ اِس معیار پر لاکر اپنے نفس کو دیکھتے رہنا چاہیے، محاسبہ کرتے رہیں، سوچتے رہیں کہ کیا واقعتاً آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے نفس کے تقاضوں کو قربان کررہے ہیں؟ اگر ایسا ہورہا ہے تو یہ ایمان قبول ہے، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجیے اور اگر اِس کے برعکس آپ نفس کے حکم کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر ترجیح دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا حکم چھوڑ دیتے ہیں تو ایمان قابلِ قبول نہیں، اِس کو صحیح کرنے کی کوشش کیجیے۔

کبھی کبھی نفس سے مخاطب ہوکر کہیں: ارے کمبخت! تو کیسے بُرے بُرے تقاضے کررہا ہے، میں تیری خاطر مالک کو ناراض کردوں؟ تیری خاطر جنت کی نعمتیں چھوڑ دوں؟ تیری خاطر جہنم میں جاؤں؟ میں تیری خاطر اپنی عاقبت برباد نہیں کرسکتا۔ جب تک آپ نفس کے محاسبے کی عادت نہیں ڈالتے اصلاح نہیں ہوسکتی۔

❑ ❖ ❑

جادو سے نجات کا آسان عمل

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ بابل کے ساحروں نے یہ بات بتلائی ہے کہ قرآنِ مجید کی ہر سورت کی صرف آخری آیت لکھ کر اپنے پاس رکھ لیں، تو جادو کا اثر بھی نہیں ہوگا، کل ۱۱۴/ آیات بن جائیں گی۔

درسِ مثنوی

اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے والوں کے لیے خوش خبری کا ایک واقعہ

ایک درویش ایک رات بہت ہی اخلاص سے اللہ کا نام لے رہا تھا، حتیٰ کہ اُس پُرخلوص ذکر کی برکت سے اپنے منہ میں مٹھاس محسوس کررہا تھا، شیطان نے اُسے ورغلانے کے لیے کہا: اے صوفی! خاموش ہوجاؤ؛ کیوں کہ بے فائدہ ذکر کی کثرت کررہا ہے، اللہ کی طرف سے تو کوئی جواب تجھے ملتا نہیں، پھر یک طرفہ محبت کی پینگ بڑھانے سے کیا فائدہ؟ چناں چہ شیطان کی اِن پُرفریب باتوں سے اُس نیک آدمی کا دل ٹوٹ گیا، افسردہ ہوکر سوگیا اور ذکر کو ملتوی کردیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہے حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے ہیں، اور دریافت کررہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیوں چھوڑ دیا ہے؟ صوفی نے جواب دیا کہ اللہ کی طرف سے لبیک کی آواز نہیں آتی، جس سے دل میں خیال آیا کہ ہمارا ذکر قبول نہیں؛ لہٰذا میں نے بے فائدہ سمجھ کر اُسے چھوڑ دیا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ تیرے لیے اللہ نے پیغام بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ میرے اس بندہ سے کہہ دو: اے میرے بندے! تیرا ''اللہ'' کہنا ہی میرا لبیک ہے، یعنی جب تیرا پہلا ''اللہ'' قبول ہوجاتا ہے، تب دوسری بار تجھے ''اللہ'' کہنے کی توفیق ہوتی ہے؛ لہٰذا یہ دوسری بار ''اللہ'' کہنا میری طرف سے لبیک ہے۔ اور سنو میرے بندے! تیرا یہ نیاز اور میرے عشق میں یہ سوز و درد سب میری طرف سے قبولیت کا پیغام ہے۔

میرے بندے! تیرا میری ذات سے خوف اور تیرا میری ذات سے عشق میرا ہی انعام ہے اور میری ہی مہربانی ومحبت کی کشش ہے؛ لہٰذا تیرے ہر بار ''یارب'' اور ''یااللہ'' کی پکار میں میرا ''لبیک'' بھی شامل ہے، یعنی جب تو ''یااللہ'' کہتا ہے تو میری یہ لبیک کی آواز بھی وہیں موجود ہوتی ہے کہ حاضر ہوں میں، اے میرے بندے! میں تمہارے قریب ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں کے لیے اِس حکایت میں بڑی خوش خبری ہے، پس ذکر کے وقت یہ تصور بھی رکھا جائے کہ جب ہمارا پہلا ''اللہ'' کہنا قبول ہوتا ہے تبھی ہماری زبان سے دوبارہ اللہ نکلتا ہے اور یہی دوبارہ اللہ نکلنا پہلے اللہ کی قبولیت کی علامت ہے۔

ملفوظات حکیم الامتؒ

اہل اللہ کی تواضع

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے سب بزرگوں کی امتیازی شان تواضع اور فروتنی تھی (علم وعمل میں بڑے بڑوں سے ممتاز ہونے کے باوجود اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھتے تھے)۔ اور حضرت والا نے یہ بھی فرمایا کہ الحمدللہ میں کسی کو بھی اپنے دل سے چھوٹا نہیں سمجھتا؛ کیوں کہ میں ہر فاسق میں حالاً اور کافر میں مآلاً یہ احتمال سمجھتا ہوں کہ شاید وہ اللہ کے نزدیک اس زمانے کے مشائخ واولیاء سے افضل وبہتر ہو۔

(مجالس حکیم الامت: ص۱۸۳-۱۸۴)

حضرت گنگوہیؒ کا ایک کلمہ حکمت

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ دنیا میں کوئی آدمی رنج والم سے بچنا چاہے تو اِس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ کسی سے کسی نفع کی توقع نہ رکھے۔ انتہیٰ

حقیقت یہ ہے کہ ساری پریشانیوں کی بنیاد خیالی توقعات ہوتی ہیں، جب وہ پوری نہیں ہوتیں تو رنج ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ مقام صرف اللہ والوں ہی کو حاصل ہوسکتا ہے جن کی امید وبیم (امید وخوف) کا تعلق صرف ایک ذات حق تعالیٰ سے وابستہ ہو۔ ؎

امید و ہراسش نباشد ز کس
ہمیں است بنیاد توحید و بس

صغیرہ اور کبیرہ گناہ

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس گناہ کو صغیرہ یعنی چھوٹا گناہ کہا جاتا ہے وہ بڑے گناہ کے مقابلہ میں چھوٹا ہے؛ ورنہ ہر گناہ اِس حیثیت سے کہ اُس میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہے بڑا گناہ ہے، جیسے پھونس کے چھپر میں بڑا انگارہ اُس کے لیے مہلک ہے، اِسی طرح چھوٹی سی چنگاری کا بھی وہی انجام ہے کہ وہ بھی جب بھڑک اٹھتی ہے تو انگارہ بن جاتی ہے؛ اس لیے گناہوں میں صغیرہ وکبیرہ (چھوٹا

وبڑا) کی تقسیم باہمی اضافت ونسبت کے اعتبار سے ہے، صغیرہ گناہ کو بھی چھوٹا سمجھ کر بے پرواہی سے کرنا اپنی ہلاکت کو دعوت دینا ہے، قرآنِ کریم میں غزوۂ اُحد کی ابتدائی شکست کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک لغزش کا نتیجہ قرار دیا ہے، ارشاد ہے: ﴿إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا﴾ یعنی لغزش دے دی اُن کے بعض اعمال کی وجہ سے۔ اِس واقعہ میں ظاہر یہ ہے کہ صحابۂ کرامؓ کسی گناہ کے مرتکب نہیں ہوئے تھے؛ مگر اُس صغیرہ ہی کو اُحد کی شکست کا سبب قرار دیا گیا۔

انبیائے کرام علیہم السلام سے صغیرہ گناہ بھی سرزد نہیں ہوتا

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مولانا سید مرتضٰی حسن نے مجھ سے نقل کیا ہے کہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ تھی کہ انبیائے کرام علیہم السلام سے نبوت سے پہلے یا نبوت کے بعد نہ کوئی کبیرہ گناہ سرزد ہوتا ہے نہ صغیرہ۔ اور فرمایا کہ حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق سے اِس کی تائید ہوتی ہے، وہ یہ کہ جو چیز انبیائے کرام علیہم السلام کی زلات میں شمار کی گئی ہیں، وہ بھی درحقیقت گناہ نہیں، طاعت ہی ہوتی ہے؛ مگر طاعت کے مقابلہ میں اُس کے ساتھ اشتغال اُن کی شان کے مناسب نہیں تھا؛ اِس لیے اس پر تنبیہ کی گئی۔

ایک اہم فائدہ

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: طاعات وعبادات کا بڑا فائدہ تو آخرت کا ثواب ہے، وہ جب کہ کوئی عمل اُس کے شرائط وآداب کے ساتھ ادا کیا جائے اس پر ضرور مرتب ہوگا۔ اُن کا ایک دوسرا فائدہ خاص خاص اعمال کے آثار وبرکات ہیں جن کا ظہور دنیا ہی میں ہوتا ہے؛ مگر ان آثار کے مرتب ہونے کی شرط یہ ہے کہ عمل کرنے کے وقت ترتب اُن آثار کی ترتیب کی نیت بھی کرے، عام طور پر جن لوگوں کو یہ آثار حاصل نہیں ہوتے اکثر اُس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُن کی نیت اِن آثار کی نہیں ہوتی، مثلاً: نماز کا اثر قرآن میں منصوص ہے کہ اِس سے انسان کو تمام گناہوں سے بچنے کی توفیق ہوجاتی ہے، یہ جبھی حاصل ہوگا جب کہ نماز کو شرائط وآداب کے

ساتھ ادا کرے اور یہ نیت بھی رکھے کہ نماز کی وجہ سے مجھے دوسرے گناہوں سے بچنے کی ہمت بھی ضرور ہو جائے گی۔ (مجالس حکیم الامت: ص/۲۱۱)

تصوف علومِ طبعیہ میں سے ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اُصولِ تصوف میں غور کرو تو وہ سب علومِ طبعیہ میں سے ہیں، ذرا بھی طبیعت میں سلامتی ہو تو خود بخود آدمی کے دل میں وہی آئے گا جو بزرگوں نے فرمایا ہے۔

اُصولِ تصوف

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فنِ تصوف کا حاصل دو چیزیں ہیں: ایک ذکر اللہ، دوسرے طاعت، یعنی اتباعِ احکامِ شرعیہ۔ مختلف قسم کے اشغال جو صوفیہ میں رائج ہیں، وہ طریق کا جز وحصہ نہیں، ضرورتاً استعمال کیا جاتا ہے۔

خشوع کی حقیقت

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خشوع کی حقیقت سکونِ قلب ہے، یعنی حرکتِ فکریہ کا انقطاع، اِس کے حاصل کرنے کے طریقے مختلف مزاجوں کے ہیں، اگر یہ سکونِ قلب کسی کو اِس طرح حاصل ہو کہ یہ تصور کرے کہ بیت اللہ میرے سامنے ہے، تو اُس کے لیے یہی بہتر ہے، اور کسی کے لیے یہ سہل ہو کہ الفاظ جو زبان سے ادا ہو رہے ہیں اُن پر دھیان لگائے، تو اُس کو وہی مناسب ہے اور جس کو ذاتِ حق کی طرف توجہ میسر ہو جائے وہ سب سے افضل و بہتر ہے۔

فرمایا کہ ایک ضروری بات جو تجربہ سے حاصل ہوئی یہ ہے کہ خشوع میں زیادہ غلو نہ کرے؛ ورنہ ایک رکن کے بعد طبیعت تھک جاتی ہے اور خیالات منتشر ہونے لگتے ہیں، غیر اختیاری طور پر دوسرے خیالات بھی اگر آتے جاتے ہیں تو وہ خشوع کے منافی نہیں، بشرطیکہ ان خیالات کی طرف التفات اور توجہ قلب کی نہ ہو۔

اِس کو ایک محسوس مثال میں اِس طرح سمجھیے کہ: جیسے کوئی شخص ایک خاص نقطہ کو دیکھنا چاہتا ہے، تو طبعی طور پر اُس کا ماحول بھی نظر پڑتا ہے؛ مگر چوں کہ توجہ قلب کی اُس طرف نہیں ہوتی اس لیے یہی کہا جائے گا کہ وہ اُس نقطہ کو دیکھ رہا ہے۔ اِسی طرح جب توجہ قلب کی بالقصد ایک چیز کی طرف ہوگی تو بالتبع دوسری چیزیں بھی سامنے رہیں گی؛ لیکن محض اُن کا سامنے ہونا اِس توجہ میں مخل نہیں، بشرطیکہ بالقصد ان چیزوں کی طرف مشغول نہ ہو۔

(گزشتہ سے پیوستہ)

چودھویں صدی کا عظیم مصلح اور صنفِ نازک

حکیم محمود ظفر صاحب سیالکوٹی

حرص سب بیماریوں کا سبب ہے

مَردوں کی طرف سے عورتوں پر مہر اور نان ونفقہ کے سلسلہ میں جو زیادتی ہورہی ہے اُس کی صرف ایک ہی وجہ ہے جس کو امت کے حکیم نے ''حرص'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، حرص کی مثال سمندر کے پانی کی ہے۔ ابنِ آدم مال کا اِس درجہ حریص ہے کہ اگر اُس کے پاس مال کی دو وادیاں بھی بھری ہوں تو تیسری کے لیے بدستور تڑپتا رہے گا، اور اُس کے پیٹ کو قبر کی مٹی کے سوا کوئی چیز بھر نہیں سکتی۔

وادی کہتے ہیں اُس نشیبی زمین کو جس میں پانی بہتا ہو، جیسے: ندی، نالہ، تو اِس لفظ میں زیادہ مبالغہ ہے کہ اگر اُس کے پاس سونا چاندی اِس کثرت سے ہو کہ پانی کی طرح بہتا ہو، تب بھی وہ زیادہ کا طالب رہے گا؛ چناں چہ اگر اُس کے پاس دو وادیاں بھی ہوں تو تیسری کا طالب رہے گا۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ تین بھی ہوں تو چوتھی کی تلاش میں رہے۔

یہ حرص ہی ہے جو نہ صرف بیوی کا نان ونفقہ اور حقِ مہر میں زیادتی سکھاتی ہے؛ بلکہ معاشرہ میں دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی اپنی مالی اور جاہی منفعتوں کے حصول کے لیے بھی ظلم واستبداد پر اُکساتی ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اِس کا علاج صرف اور صرف دین ہے۔

ہر حال میں شریعت کے موافق چلو، اس میں دین ودنیا کی سب راحت ہی راحت ہے، شریعت پر چل کر پریشانی پاس نہیں آسکتی۔ نفسی اور معاشرتی جتنی بھی پریشانیاں آج معاشرے کو لاحق ہیں اُن سب کا سبب صرف حرص ہے۔

حرص تمام پریشانیوں کی جڑ ہے، اور ایسا

مرض ہے کہ اس کو ’’اُمّ الامراض‘‘ کہنا چاہیے؛ کیوں کہ اس کی وجہ سے جھگڑے فساد ہوتے ہیں، اس کی وجہ سے مقدمہ بازیاں ہوتی ہیں۔ اگر لوگوں میں حرص نہ ہوتو کوئی کسی کا حق نہ دبائے، پھران فسادات کی بھی نوبت نہ آئے (نہ انفرادی، نہ اجتماعی نہ قومی اور بین الاقوامی)۔

بدکاری اور چوری وغیرہ کا منشا بھی حرص ہے، کہیں حرص مالی اور کہیں حرص لذات؛ نیز اخلاقِ رذیلہ کی جڑ بھی یہی حرص ہے۔ عارفین کا قول ہے کہ تمام اخلاقِ رذیلہ کی اصل کبر ہے اور کبر کا منشا بھی ایک گونہ حرص ہی ہے؛ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ بھی حرص ہی کی ایک فرد ہے؛ کیوں کہ تکبر طلبِ جاہ کا نام ہے، تو یہ جاہ کی ہوس ہے؛ بلکہ غور کیا جائے تو مال کی بھی حرص ہے۔ طلبِ جاہ اِس واسطے کی جاتی ہے کہ صاحبِ جاہ کو ضروریاتِ معاش سہولت سے مل جاتی ہیں، اُس کی حاجتیں آسانی سے پوری ہوجاتی ہیں، جو کام دوسروں کا سینکڑوں کے خرچ سے ہوتا ہے وہ صاحبِ جاہ کی زبان ہلنے سے ہوجاتا ہے۔

اِس لیے صوفیا نے صاحبِ جاہ کے آداب میں لکھا ہے کہ ایسا شخص اپنے حوائج کو ظاہر نہ کرے؛ کیوں کہ اس سے لوگ فکر میں پڑ جاتے ہیں۔ ہر شخص اُس کی حاجت کو پورا کرنا چاہے گا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے جاہ کی حقیقت ’’ملک القلوب‘‘ (دلوں پر قبضہ) لکھی ہے اور ملکِ قلوب سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ ہمارے کام سہولت سے نکلتے رہیں۔ پس تکبر کا منشاء بھی حرص، ہویٰ اور تکبر، تمام رذائل کی جڑ ہے، تو حرص منشاء ہوا تمام معاصی کا۔ مشاہدہ ہے کہ نااتفاقی کا منشاء بھی حرص ہے اور تفاخر کا منشا بھی یہی ہے؛ کیوں کہ مال ودولت کا دکھلانا جمع مال ہی کے بعد ہوسکتا ہے اور وہ جمع ہوتا ہے حرص سے۔ یہاں سے اِس حدیث کا مطلب واضح ہوگیا کہ ’’حُبُّ الدُّنیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ‘‘ حبِ دنیا ہی کا نام تو حرص ہے۔ (وعظ ’’علاج الحرص‘‘: ۱۱-۱۲)

یہ بھی حرص ہی کا نتیجہ ہے کہ لوگوں نے کسبِ معاش میں حلال وحرام کی تمیز اُٹھادی؛ حالاں کہ خدا سے تعلق رکھنے والی معاشی زندگی کا اہم واقدم سوال کسب نہیں، کسبِ حلال

ہے، جس کے بغیر تمام عبادات اپنے ثمرات وبرکات سے خالی رہتی ہیں اور دعا جو عبادات کا مغز یا عبدیت و بندگی کی جان ہے، وہ بھی حق تعالیٰ کی نگاہ میں لائقِ قبول وتوجہ نہیں رہتی؛ بلکہ بے اثر ہو کر رہ جاتی ہے۔

اور بخاری کی یہ حدیث بھی اِس کی تائید کرتی ہے کہ:

''ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ آدمی کھانے کمانے میں حلال وحرام کی بالکل پرواہ یا تمیز نہ کرے گا''۔

مشتبہ چیزوں سے پرہیز

موجودہ زمانے میں یہی کچھ ہو رہا ہے کہ حلال وحرام کی فکر وتمیز کے بغیر کسب وحصول یا معیارِ زندگی بلند کرنا کرانا رہ گیا ہے۔ انفرادی طور پر بھی ایسا ہو رہا ہے اور اجتماعی وحکومتی سطح پر بھی اِسی نظریے کی آبیاری کی جارہی ہے؛ حالاں کہ اسلام میں زندگی کی بلند معیاری کے حصول وکسب میں سارا زور حلال وحرام کی تمیز پر ہے۔ حلال وحرام تو بہت بڑی چیز ہے اسلام نے تو مشتبہ چیزوں کے قریب جانے سے بھی روکا ہے؛ تاکہ آدمی مشتبہ سے تجاوز کرتا ہوا کہیں حرام میں داخل نہ ہو جائے؛ چناں چہ بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے:

''حلال بھی کھلا ہوا ہے اور حرام بھی، اِن دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں (جن کا حلال یا حرام ہونا قطعیت کے ساتھ نہیں بتایا گیا)، پس جس نے اِن مشتبہ چیزوں کے معاملہ میں تقویٰ سے کام لیا، اُس نے اپنے دین کو (حق تعالیٰ کی نظر میں) اور اپنی آبرو کو (لوگوں کی نظر میں) بچالیا، اور جس نے اس کی پرواہ نہ کی؛ بلکہ مشتبہ چیزوں میں مبتلا ہو گیا وہ سمجھ لو کہ حرام ہی میں مبتلا ہو گیا، جیسے: وہ چرواہا جو ممنوعہ چراگاہ کے بالکل کنارے (اپنے مویشی) چَراتا ہے، اندیشہ ہے کہ ایک نہ ایک دن ممنوعہ حدود میں جا پڑے۔ یاد رکھو! ہر بادشاہ کی ایک محفوظ یا ممنوع چراگاہ ہوتی ہے۔ اِسی طرح یہ بھی یاد رکھو! کہ اللہ تعالیٰ کی ممنوعہ چراگاہ اُس کے محارم ہیں (یعنی وہ چیزیں جن کو اُس نے حرام وناجائز قرار دے دیا ہے)۔

(جاری..................)

❑ ❖ ❑

پُرمغز نصائح

شیخ محی الدین سیّد احمد کبیر رفاعی قدس سرہٗ
ترجمہ: شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد تھانوی عثمانی رحمہ اللہ

اگر تمہارے نفس میں (کسی وقت) شہوت یا تکبر کی حرکت پیدا ہو، تو اللہ کے لیے نفل روزہ رکھو، کہ اِس سے شہوت اور تکبر میں کمی ہوجاتی ہے بشرطیکہ معقول مقدار میں روزے رکھے جائیں، ایک دو پر بس نہ کیا جائے، اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑے رہو، اپنے گھر میں بیٹھو، بازاروں اور سیرگاہوں میں زیادہ نہ جایا کرو، جس نے سیر[۱] سپاٹا چھوڑ دیا اُس نے کامیابی حاصل کرلی۔ مہمان کی خاطر کرو، اپنے بیوی بچوں، گھر والوں اور خادموں سے ہمدردی کرو، ہر حالت میں اللہ کو یاد رکھو اور ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کا اہتمام کرو، آخرت کے لیے اچھے اچھے کام کرو، اور دنیا کے کاموں کو بھی (حسنِ نیت سے) آخرت کے کام بنادو، اور کہو اللہ، پھر لوگوں کو اُن کے مشغلوں میں کھیلتا ہوا چھوڑ دو (یعنی اللہ ہی کے لیے کرو جو کچھ کرو، اسی کو ہر کام میں مطلوب و مقصو سمجھو، دوسروں کی حرص نہ کرو، اُن کو اُن کے خیال میں مست رہنے دو، یہ ہے میری نصیحت تم کو اور ہر اُس شخص کو جو میرے طریقہ پر چلے اور اپنے دوستوں، تمام مسلمانوں اور اپنے چاہنے والوں کو اللہ تعالیٰ اُن کی شمار بڑھائے۔ (آمین)

اور میں عظمت والے خدا سے تمام گناہوں کی خواہ پوشیدہ ہوں یا ظاہر، چھوٹے ہوں یا بڑے مغفرت چاہتا ہوں اور اُس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں؛ کیوں کہ وہی توبہ قبول کرنے والے بڑے مہربان ہیں۔

عزیزِ من! مخلوق کے سردار (سیدنا رسول

(۱) طریقِ باطن میں یکسوئی اور جمعیت قلب کی زیادہ ضرورت ہے، اگر سالک کو تفریح کی ضرورت ہو تو اکیلا جنگل کی طرف نکل جائے، اور سیرگاہوں و بازاروں میں جہاں لوگوں کا مجمع ہو نہ جائے۔

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ: بندہ کے دل میں جو کچھ چھپا ہوا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کو ویسا ہی لباس پہنا دیتے ہیں، اگر (اندر) بھلائی ہے تو (ظاہر میں بھی) بھلائی ہوگی، اور اگر (دل میں) بُرائی ہے تو (ظاہر میں بھی) بُرائی ہوگی، دل کا اثر ظاہر پر ضرور ہوگا۔ (یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی ظاہر ہوگی جو کہتے ہیں کہ اصل مقصود تو باطن کا درست کرنا ہے ظاہر خراب ہو تو کیا حرج ہے؟ اُن کو سمجھ لینا چاہیے کہ باطن وظاہر میں ایسا قوی تعلق ہے کہ ایک کی اصلاح دوسرے کی اصلاح میں اور ایک کی خرابی دوسرے کی خرابی میں موثر ہے؛ ورنہ پھر اصل تو روح ہے، بدن فضول چیز ہے، اس کی صحت وتندرستی اور لباس وغذا کے اہتمام کی کیا ضرورت ہے، آج سے یہ سب کام چھوڑ دو)۔

ولی کی تعریف

سن لو! ولی وہ ہے جس نے نفس وشیطان اور دنیا واپنی خواہش سے منہ موڑ لیا، اور اپنے چہرہ ودل کو مولیٰ (حق تعالیٰ شانہٗ) کی طرف پھیر دیا اور دنیا وآخرت (دونوں) سے بے رخی کر کے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز کا طالب نہیں ہوا۔

اور قانع وہ ہے جو تقدیر پر راضی ہو اور بقدرِ ضرورت سامان پر کفایت کرے (زیادہ کی ہَوَس نہ کرے)۔

حل مشکلات کا بہترین وظیفہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم مشکل میں یہ دعا فرماتے: "اَللّٰهُمَّ لَا سَهْلَ إِلَّا مَاجَعَلْتَهُ سَهْلًا وَأَنْتَ تَجْعَلُ الْحُزْنَ إِذَا شِئْتَ سَهْلًا" (اے اللہ! کچھ آسان نہیں؛ مگر جسے آپ آسان بنادیں، آپ غم کو جب چاہیں آسان بنادیں)۔

غم دُور کرنے اور دل کو خوش وخرم رکھنے کے لیے

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص صبح کے وقت سورۂ یاسین پڑھے گا وہ شام تک خوش وخرم رہے گا اور جو شخص اسے شام کے وقت پڑھے گا وہ صبح تک فرحت وخوشی میں رہے گا۔ ہمیں اُس شخص نے خبر دی ہے جس نے اِس کا تجربہ کیا۔

افاداتِ مصلح الامتؒ

افادات: عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ''مناجاتِ مقبول'' میں جو ابیاتِ مثنوی سے لکھی ہیں، اُس میں ایک جوان کی دعا جو حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں تھا، اور دعا کیا کرتا تھا، اُس کو سناتا ہوں:

ایں دعا بشنو ز بندہ کاے خدا
ثروتے بے رنج و روزی کن مرا

''یعنی اے اللہ! اُس بندہ کی دعا سن لیجیے کہ بے مشقت کی روزی مجھے عطا فرمائیے''

چوں مرا تو آفریدی کاہلے
زخم خواری سست جنبے تنبلے

''جب کہ آپ نے مجھے کاہل اور زخم خوار وسست حرکت پیدا کیا ہے''۔

کاہلم چوں آفریدی اے ملی
روزیم دہ ہم ز راہ کاہلی

''اور جب اے غنی! آپ نے مجھے کاہل پیدا کیا، تو پھر کاہلی کی راہ سے مجھے روزی بھی دیجیے''

کاہلم من سایہ خسپم اے ودود
خفتم اندر سایہ احسان و جود

''اے ودود! میں کاہل ہوں، سایہ میں سونے والا ہوں، تیرے احسان اور جود کے سایہ میں سوچکا ہوں''۔

کاہلان و سایہ خسپاں را مگر
روزیٔ بنہادۂ نوعے دگر

''شاید تونے کاہلوں اور زیرِ سایہ سونے والوں کی روزی دوسری ہی طرح سے رکھی ہے''۔

ہر کرا پا ہست جوید روزیے
ہر کرا پا نیست کن دل سوزیے

''جس کے پاؤں ہیں وہ روزی ڈھونڈ سکتا ہے اور جس کے پاؤں ہی نہیں اُس کی دلسوزی اور ہمدردی تو ہی فرما''۔

رزق را میراں بسوئے ایں حزیں

ابر را باراں بسوئے ہرز میں
''اُس رنجیدہ کی طرف رزق کو پہنچایئے
اور بادلوں کو ہرزمین پر برسایئے''۔

چوں زمیں را پا نباشد جود تو
ابر را راند بسوئے او دود تو
''چوں کہ زمیں کے پاؤں نہیں ہیں
اس لیے تیری سخاوت وجودِ ابر کو اس کی
طرف تیز تیز دوڑا لے جاتی ہے''۔

طفل را چوں پا نباشد مادرش
آید و ریزد وظیفہ بر سرش
''چوں کہ بچے کے پاؤں نہیں
ہوتے؛ اِس لیے اُس کی ماں آ کر اُس
کے سر پر روزی پہنچا دیتی ہے''۔

روزیے خواہم بناگہ بے تعب
کہ ندارم من ز کوشش جز طلب
''یعنی ناگاہ (اچانک) روزی بے
مشقت کے چاہتا ہوں؛ کیوں کہ اور کوئی
کوشش بجز اِس کے میرے پاس نہیں
ہے کہ آپ سے طلب وسوال کروں''۔

وہ جوان برابر یہ دعا کیا کرتا تھا، کہ ایک روز ایک گائے اچانک اُس کے گھر میں گھس آئی، تو اُس نے سمجھا کہ میری دعا قبول ہوگئی، اُس کو پکڑ لیا اور ذبح کر دیا۔

وہ گائے دوسرے کی تھی، اُس نے حضرت داوٗد علیہ السلام کے یہاں مقدمہ پیش کیا، اُس سے داوٗد علیہ السلام نے فرمایا کہ اُس کی گائے واپس کر دو، اُس نے کہا کہ واہ! میری دعا قبول ہوئی ہے، میں بہت دنوں سے اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہا ہوں کہ مجھے بے تعب کی روزی عطا فرما؛ لیکن چوں کہ اُس کے پاس بینہ (ثبوت) نہیں تھا؛ اس لیے داوٗد علیہ السلام نے گائے والے کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ اِس پر وہ نوجوان بڑے زور سے رویا، اُس کے رونے کی آواز سے داوٗد علیہ السلام سمجھے کہ یہ مظلوم ہے، اُس کے رونے سے معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹا آدمی نہیں ہے، تو فرمایا کہ بھائی! اِس مقدمہ کا فیصلہ آج نہیں دوں گا کل اِس کا فیصلہ کروں گا۔ عوام میں بڑا شور تھا کہ یہ تو ظاہر بات ہے کہ گائے فلاں شخص کی ہے، پھر فیصلہ میں تاخیر کیوں فرما رہے ہیں۔ غرض! حضرت داوٗد علیہ السلام محراب میں گئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ! اِس نوجوان کے رونے

سے معلوم ہوتا ہے کہ گائے اُسی کی ہے، آخر کیا ماجرا ہے سمجھا دیجیے؟ وحی آئی کہ یہ گائے اُسی کی ہے اور یہ آدمی جو گائے رکھے ہوئے ہے اور مالک بنا ہے یہ خود اُس کا غلام ہے، اُس کے باپ کے ساتھ سفر میں گیا تھا اور اُس کو قتل کر کے فلاں درخت کے نیچے دفن کر دیا ہے اور اُس کا مال وغیرہ سب لے لیا۔

یہ جب پوری وحی آ گئی۔ حضرت داوٗد علیہ السلام نے سب کو جمع کیا اور اُس درخت کے پاس لے گئے اور کہا کہ یہاں کی زمین کھودو، جب لوگوں نے زمین کھودی تو وہاں اُس کے باپ کی نعش برآمد ہوئی، تب حضرت سیدنا داوٗد علیہ السلام نے لوگوں سے فرمایا کہ یہ شخص اُس کے باپ کا غلام ہے، اپنے آقا کو قتل کر کے یہاں دفن کر دیا ہے اور اُس کی جائداد پر قابض ہو گیا تھا اور اس نوجوان کو اِس کا علم نہیں تھا؛ لہٰذا اب یہ غلام بھی اِسی نوجوان کا ہے اور یہ گائے بھی اِسی کی ہے، سب چیز اِسی کی ہے۔

غرض! وہ نوجوان جو برابر دعا کیا کرتا تھا کہ ''روزیے خواہم بناگہ بے تعب'' تو اللہ تعالیٰ نے اُس کی دعا قبول فرمائی اور سب کچھ عطا فرمایا۔

اُس کا باپ تو مالدار آدمی تھا؛ مگر یہ فقیر ہو گیا تھا، اب اللہ تعالیٰ نے اُس کے باپ ہی کی سب کمائی اُسی دعا کی برکت سے اُس کے پاس لوٹا دی۔ مولانا رومؒ نے اِس قصہ کو مثنوی میں شرح وبسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ پس جس طرح جوان نے یہ دعا کی تھی اور قبول ہوئی کہ ؎

روزیے خواہم بناگہ بے تعب
کہ ندارم من زکوشش جز طلب

اِسی پر میں یہ پڑھا کرتا ہوں کہ ؎

جنتے خواہم بناگہ بے تعب
کہ ندارم من زکوشش جز طلب

یعنی اور کوئی عمل تو سپڑتا نہیں، بس جنت کا سوال کرتے رہو کہ یا اللہ! سوائے اِس کے کہ آپ سے جنت مانگیں اور کچھ نہیں کر سکتے، آپ اپنے فضل سے ناگاہ بے مشقت کے جنت میں داخل فرما دیجیے۔

اللہ تعالیٰ ہی کی جنت ہے، اُنہوں نے اپنے بندوں ہی کے لیے اُس کو بنایا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ اُن سے جنت کا سوال کیا جائے؛ اس لیے ہم سب کو چاہیے کہ اللہ

تعالیٰ سے جنت کا سوال کیا کریں۔ آپ سے کہتا ہوں کہ کوئی دن ایسا مت گزاریے جس میں کم از کم دو ایک دفعہ جنت کا سوال حق تعالیٰ سے نہ کیجیے اور ساتھ ہی جہنم سے پناہ بھی مانگیے، اور اس کے لیے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا جو نقل کی ہے اُس کو یاد کر لیجیے اور انہیں لفظوں میں دعا کیجیے؛ اس لیے کہ یہ الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکل کر اللہ تعالیٰ کے یہاں شرفِ قبولیت حاصل کر چکے ہیں؛ لہٰذا جب اِنہی لفظوں کو ہم بھی پیش کریں گے تو امیدِ قبولیت زیادہ ہے، وہ دعا یہ ہے:

’’اَللّٰهُمَّ إِنِّي اَسْئَلُکَ الْجَنَّةَ وَمَاقَرُبَ إِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْعَمَلٍ وَأَعُوْذُ بِکَ مِنَ النَّارِ وَمِنْ حَالِ أَهْلِ النَّارِ وَمَاقَرُبَ إِلَيْهَا‘‘.

یعنی یا اللہ! میں آپ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور اُس قول وعمل کا بھی سوال کرتا ہوں جو جنت کے قریب کر دے۔ اور آپ کی پناہ چاہتا ہوں جہنم سے اور اہلِ جہنم کے حال سے اور اُس چیز سے جو جہنم کے قریب کرنے والی ہو۔ اور اگر پسند ہو تو اِن لفظوں میں بھی دعا کر لیا کیجیے کہ:

جنتے خواہم بنا گاہ بے تعب
کہ ندارم من زکوشش جز طلب

❑❖❑

اے لوگو ایک بات سنو! حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ دنیا سے تشریف لے گئے تو حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو چھوڑ گئے، اُن کے ذریعہ سے طریق محفوظ رہا، اور حضرت حاجی صاحب کے جو کمالات تھے اُن کا سراغ حضرت مولاناؒ سے لگتا رہا؛ ورنہ ہم کیا جانتے کہ اُن کے کمالات کیا تھے۔ اگر حضرت تھانویؒ سے اِن باتوں کو نہ سنتا اور یہ باتیں نہ محفوظ رہتیں تو اُس کو کیسے بتلاتا۔ کسی بزرگ کے بعد اُس کے کمالات جو باقی رہتے ہیں وہ اُن کے خلفا سے باقی رہتے ہیں۔ حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ اپنے ایسے ایسے خلفا چھوڑ گئے تھے جنہوں نے دنیا میں اُن کے بعد بہت کام کیا۔ (افاداتِ مصلح الامت)

(گزشتہ سے پیوستہ)

مسیح الامت کی باتیں

مفتی رشید احمد صاحب میواتی رحمہ اللہ

خانقاہ میں رہنے کے آداب

(۱) مدرسہ کی مسجد کے جنوبی وشمالی دونوں جانب خانقاہ کے کمرے ہیں، جہاں آنے والے طالبین وسالکین حضرات کا قیام ہوتا ہے، اُسے حضرتِ والا تواضعاً ہمیشہ مہمان خانہ فرمایا کرتے ہیں۔

(۲) خانقاہ میں قیام کے لیے بھی ضروری آداب ہیں۔ طالبینِ اصلاح سالکین حضرات کو لازم ہے کہ اُن آداب کا ہمیشہ لحاظ رکھیں؛ ورنہ بسا اوقات اُن آداب کی رعایت نہ رکھنے کی وجہ سے یا تو بالکل نفع نہیں ہوتا یا پورا نفع نہیں ہوتا اور راہِ سلوک طے کرنے میں دیر لگتی ہے۔

(۳) چوں کہ سالک کی مثال جسمانی مریض جیسی ہے، جس طرح مریض کی بدپرہیزی کے علاج میں دیر لگتی ہے، اِسی طرح راہِ سلوک میں بھی اگر موانع سے پرہیز نہ کیا جائے تو اصلاح مشکل ہے۔

(ادب:۱) جب خانقاہ میں قیام کی غرض سے آئیں تو گھر والوں کی ضروریات کا انتظام کر کے آئیں، گھر پر کوئی دیندار معتمد علیہ شخص ایسا ہو جو ضروری سودا سلف لاکر دے دے اور رات کو گھر پر سو جایا کرے؛ چناں چہ اِس سلسلے میں یہ واقعہ سبق آموز ہے:

واقعہ: ایک صاحب -جن کا حضرت والا سے بیعت کا تعلق تھا- اپنے وطن سے بغرضِ قیام خانقاہ میں آئے اور بوقتِ ملاقات حضرت والا سے چندروز خانقاہ میں قیام کا ارادہ ظاہر کیا، حضرت والا نے حسبِ عادتِ شریفہ دریافت فرمایا کہ آپ کیا کام کرتے ہیں؟ اُنہوں نے عرض کیا کہ کباب بیچتا ہوں، دریافت فرمایا کہ اب آپ کے بعد کباب کون بیچے گا؟ اُنہوں نے عرض کیا کہ میرا چھوٹا بھائی بیچے گا۔ پھر دریافت فرمایا گھر کا سودا سبزی

وغیرہ کون لائے گا؟ عرض کیا کہ میرا گیارہ سال کا لڑکا ہے وہ لائے گا۔

اُس کے بعد دریافت فرمایا کہ گھر پر رات کو سونے کے لیے کون محرم ہے؟ اُنہوں نے عرض کیا کہ میرا چھوٹا بھائی ہے، فرمایا کہ وہ تو محرم نہیں؛ اس لیے آپ واپس جائیں اور کسی قابلِ اعتبار محرم کا انتظام کر کے آئیں، جو رات کو گھر پر سو جایا کرے۔

(ادب:۲) حضرت والا دامت برکاتہم نے خانقاہ کے قیام کے اصل الاصول کے طور پر دو اصول ارشاد فرمائے:

(۱) سکونِ قلبی (۲) سکوتِ لسانی

سکونِ قلبی سے مراد یہ ہے کہ اپنے قلب کو دوسرے مشاغل سے بالکل خالی رکھے۔ سکوتِ لسانی سے مراد یہ ہے کہ بلاضرورت کسی سے کلام نہ ہو۔ اور دو کام ہیں قیامِ خانقاہ کے دَوران مجلس کے اوقات کے علاوہ ذکر اور مطالعہ۔

پس سالک کا پورا وقت پابندی کے ساتھ اِن دونوں کاموں میں گزرے۔

(ادب:۳) حضرت والا نے ذکر کا جو معمول بتلایا ہو، اِسی طرح جن کتابوں کے مطالعے کے لیے ارشاد فرمایا ہو، اُس کی پابندی کی جائے، مجلس کے علاوہ پورا وقت بس اِن دو کاموں میں گزرنا چاہیے۔

(ادب:۴) حضرت حکیم الامتؒ نے تحریر فرمایا ہے: میں نے خانقاہ میں قاعدہ مقرر کر دیا ہے کہ نہ کسی سے دوستی بڑھاؤ، نہ دشمنی پیدا کرو اور نہ زیادہ مجلس آرائی کرو؛ کیوں کہ یہ مجلس آرائی فساد کی جڑ ہے۔

(اشرف السوانح:۲/۳۰۸)

(ادب:۵) نیز حضرت شیخِ اکبر رحمہ اللہ کے رسالہ ”**الأمر المحکم المربوط فیما یلزم اھل طریق اللّٰہ من الشروط**“ سے یہ ادب نقل کیا گیا ہے:

”اور شیخ کو چاہیے کہ مریدین کو آپس میں بھی اپنی مجلس کے علاوہ جمع نہ ہونے دے اور جو شیخ اس میں مساحت کرے وہ مریدین کے حق میں بُرا کرتا ہے“۔ (اشرف السوانح)

(جاری..................)

❑❖❑

افادات حکیم الاسلام

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہٗ

علم بلا خانقاہ اور خانقاہ بلا علم

ارشاد فرمایا کہ: ''اگر غور کیا جائے تو علم مدارس میں سکھلایا جاتا ہے اور تربیتِ اخلاق خانقاہ میں ہوتی ہے۔ مدرسی ہونے کے ساتھ ساتھ جب تک آدمی خانقاہی نہ بنے، اُس وقت تک تکمیل نہیں ہوتی۔ محض خانقاہ میں جائے گا تو آدمی وجدی بن جائے گا اور اگر کورا مدرس بن جائے گا تو نجدی بن جائے گا، تو اس راہ میں نہ نجدی ہونا کافی ہے اور نہ وجدی، وجد اور نجد دونوں کو جمع کرے، تب ہی کامل بنے گا۔ ایک طرف آدمی علم لے، جس کے لیے مدرسہ جانا پڑے گا اور دوسری طرف تربیت بھی لے، اُس کے لیے خانقاہ جانا پڑے گا۔ بہرحال دونوں چیزوں کو جمع کرنا یہ محقق کی علامت ہے۔''

ارشاد فرمایا کہ: ''جو مولویوں اور صوفیوں کی لڑائی ہے، میں تو کہا کرتا ہوں کہ ایک طرف کورے مولوی ہیں جن میں عشق کی کمی ہے اور دوسری طرف کورے عاشق ہیں جن میں علم کی کمی ہے، اور محقق و کامل نہیں لڑا کرتے، اُس کے ظرف کے اندر وسعت ہوتی ہے''۔

ارشاد فرمایا کہ: ''ایک ہاتھ میں ایک جامِ شریعت ہونا چاہیے اور دوسرے ہاتھ میں جامِ عشق، آگ بھی ہو اور پانی بھی، جلال بھی ہو اور جمال بھی۔ دونوں چیزیں جب ہوں گی تب جا کے آدمی میں کمال پیدا ہوتا ہے؛ ورنہ کمال کی کوئی صورت نہیں اور اعتدال بھی تبھی ہوتا ہے جب جلال اور کمال جمع ہو جائیں۔''

ارشاد فرمایا کہ: ''علم پاک چیز ہے، پاک ظرف میں بھرا جائے گا، جس ظرف کے اندر گندگی موجود ہو اور وہ غیر اللہ اور دنیا کا طالب بنا ہوا ہے تو ایسا ہی ہے جیسے کہ سونے کے ظرف میں نجاست بھر دی ہو، تو محبت صرف ایک چیز کی رہے۔ دنیا استعمال کی چیز ہے، محبت کی چیز نہیں، استعمال جتنا چاہے کرلو؛

لیکن محبت ایک ذات سے رہنی چاہیے۔ تو علم کے شرف کے بعد کسی غیر علم کی طلب کرنا ایسا ہی ہے جیسے ایک عالم طلب کرے کہ میں جاہل بن جاؤں، تو کون سی دانش مندی ہوگی، خدا علم دے اور وہ جہالت کو چاہے''۔

ارشاد فرمایا کہ: ''حق تعالیٰ نے اہلِ علم کو عزت وعظمت بخشی ہے، اِس کی وجہ یہ ہے کہ علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور ''مال'' معدے کی صفت ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی صفت بندے کے اندر آئے تو گویا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اپنا نمائندہ بناتے ہیں کہ میری صفت کا حامل ہے، اس کو دنیا کے اندر پھیلائے اور یہ کہے کہ میں معدے کی صفت کا حامل بننا چاہتا ہوں تو ظاہر بات ہے کہ یہ عقل کا کھوٹ ہے''۔

ارشاد فرمایا کہ: ''علما کا سب سے بڑا کام توکل اور استغنا ہے، اِسی میں دین بھی ہے دنیا بھی ہے، دنیا چاہے تھوڑی ملے؛ مگر ضرور ملے گی، ممکن ہے کہ لکھ پتی نہ بنے؛ لیکن سیکڑوں کروڑ پتی قدموں کے سامنے سر جھکائیں، اور کروڑ پتی کو اپنے سامنے جھکانا یہ کمال کی چیز ہے''۔

علم کا خاصہ

ارشاد فرمایا کہ: ''علم کا خاصہ تو ترقی، اُونچائی اور بڑائی ہے، اِسی وجہ سے انسان کے لیے عبدیت لازم کی گئی؛ اس لیے کہ علم محض اسے متکبر بنا دے گا، اس کا علاج عبدیت میں رکھا گیا ہے، تو جب علم کے ساتھ عبدیت جمع ہوتی ہے تو علم کے آثار میں استکبار کے بجائے وقار پیدا ہوتا ہے اور عبدیت سے ذلتِ نفس کے بجائے تواضع للہ پیدا ہوجاتی ہے۔ تو عالمِ حقیقی وہ ہے جو متکبر نہ ہو؛ بلکہ باوقار ہو، جو ذلیل النفس نہ ہو؛ بلکہ متواضع ہو''۔

ارشاد فرمایا کہ: ''اگر علما میں بگاڑ آتا ہے تو یہود کے نقشِ قدم پر جاتے ہیں، جمود واستکبار میں مبتلا ہوتے ہیں اور اگر عبّاد وزہاد میں بگاڑ آتا ہے کہ وہ نصاریٰ کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں، تو وہ بدعات ومنکرات میں مبتلا ہوتے ہیں''۔

❑❖❑

افاداتِ عارفیؒ

حضرت عارفیؒ اور جذبۂ تبلیغ

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ العالی

ہم نے تو جب سے حضرت والاؒ کو دیکھا، آپ کو جذبۂ تبلیغ کی دُھن میں محو پایا، آپ کی دعوت وتبلیغ اور تعلیم وتلقین صرف ہفتہ وار مجلسوں کی حد تک محدود نہیں تھی؛ بلکہ آپ جہاں بیٹھتے، دینی ارشادات کا ایک سلسلہ شروع ہوجاتا، اور ہر جگہ کے مناسب ایسی ہلکی پھلکی باتوں کا انتخاب فرماتے جو اس خاص ماحول میں سننے والے پر بار نہ ہوں، اور کوئی نہ کوئی دین کی بات کان میں پڑ جائے، سترہ سالہ تعلق میں اگر کبھی چند منٹ کے لیے سرِ راہے بھی کوئی ملاقات ہوئی تو کوئی نہ کوئی کام کی بات حضرتؒ نے ضرور کان میں ڈال دی۔

عام طور سے مشائخِ طریقت کا طریقہ یہ رہا ہے کہ وہ طالب کی اچھی طرح جانچ کرنے کے بعد جب تک یہ اندازہ نہ کرلیتے کہ وہ طلبِ صادق لے کر آیا ہے، اُس وقت تک اُسے اپنے زیرِ تربیت نہیں لاتے تھے؛ لیکن ہمارے زمانے میں لوگوں کی طلب کا جو حال ہے، وہ سب کو معلوم ہے؛ لیکن حضرت والاؒ نے تبلیغ اور خیر خواہی کے جذبے کے تحت یہ محسوس فرمایا کہ اب طلبِ صادق کا انتظار کیا گیا تو کتنے لوگ محروم ہی رہ جائیں گے؛ اس لیے انہوں نے اپنے پاس آنے والوں میں طلب پیدا کرنے کی ذمہ داری بھی خود ہی اٹھالی، آپ جانتے تھے کہ یہ لوگ جدید دَور کی حواس باختہ زندگی میں پھنسے ہوئے ہیں؛ اس لیے جتنا تھوڑے سے تھوڑا وقت بھی کوئی شخص دین کے لیے نکال لے، اُسی کو غنیمت سمجھ کر اُسے ایسی باتیں بتادی جائیں جو اُس کی زندگی پر اثر انداز ہوں۔

چناں چہ جب کسی بے تکلف شخص سے ملاقات ہوتی، آپ از خود فرماتے کہ: ’’بھئی! آجایا کرو، اگر ہمیشہ موقع نہ ملے تو جب بھی موقع ملے، آجایا کرو‘‘۔ کبھی فرماتے: ’’بھائی!

ہم سے ہماری کچھ باتیں سن لو، کان میں پڑ جائیں گی تو ان شاء اللہ کبھی کام آئیں گی''۔ کبھی فرماتے کہ: ''یہ باتیں شاید اب کہیں اور سننے کو نہ ملیں، ہماری زبان سے سن لو''، اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے:

مجھی سے سن لو جو سننا ہے غم کی داستاں میری
کہاں سے لائے گا پھر کوئی دل میرا، زباں میری

کبھی فرماتے ؎

کرو گے یاد جب باتیں کرو گے
کہ کوئی رفتۂ بسیار گو تھا

سامعین میں طلب پیدا کرنے کے لیے حضرتؒ بکثرت ان باتوں کی اہمیت اور ان کے قابلِ قدر ہونے کا ذکر کرتے، فرماتے کہ: میں نے جو باتیں حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ سے سنی ہیں، اور جن سے مجھے نفع پہنچا ہے، وہ آپ لوگوں کے دل میں اُتارنا چاہتا ہوں۔ ؎

سنی ہیں جو اُن کے لبِ جاں فزا سے
وہ باتیں سنانے کو جی چاہتا ہے

اِس لیے بار بار متوجہ کرتا ہوں کہ یہ باتیں سن لو جو کتابوں میں نہیں ملیں گی، بعض لوگ میری اِس بات کو تعلّی پر محمول کرتے ہیں، اچھا بھئی! جو چاہو سمجھو؛ لیکن یہ باتیں سن لو، یہ نہ دیکھو کہ کون کہہ رہا ہے، یہ دیکھو کہ کیا کہہ رہا ہے؟ میرے پاس جو کچھ ہے، حضرتؒ ہی کی باتیں ہیں؛ اس لیے میں اُن کی اہمیت بیان کرتا ہوں؛ ورنہ الحمدللہ، تعلّی کا واہمہ بھی دل پر نہیں گزرتا۔ ؎

بات منہ کی جو ترے آن کے دہرائی ہے
تیرے قاصد کو بھی دعوائے مسیحائی ہے

❑❖❑

وقت کی قدر

صدیوں کا تجربہ ہمیں یہی سکھاتا ہے کہ دنیا میں جس قدر کامیاب وکامران ہستیاں گزر چکی ہیں اُن کی کامیابی وکامرانی کا راز صرف وقت کی قدر اور اُس کا صحیح استعمال تھا، وقت ایک ایسی زمین ہے کہ اگر اُس میں سعیٔ کامل کی جائے تو یہ پھل دیتی ہے، بے کار چھوڑ دی جائے تو خاردار جھاڑیاں اُگاتی ہے۔

رحمتِ خداوندی کا عجیب واقعہ

افادات: حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن نور اللہ مرقدہٗ (ڈھاکہ)

ایک اور حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سابقہ امتوں کا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک شخص تھا، جس نے اپنی جان پر بڑا ظلم کیا تھا، بڑے بڑے گناہ کیے تھے، بڑی خراب زندگی گزاری تھی اور جب اُس کی موت کا وقت آیا تو اُس نے اپنے گھر والوں سے وصیت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے اپنی زندگی گناہوں اور غفلتوں میں گزار دی ہے، کوئی نیک کام تو کیا نہیں؛ اس لیے جب میں مرجاؤں تو میری نعش کو جلا دینا اور جو راکھ بن جائے تو اُس کو بالکل باریک کرکے مختلف جگہوں پر تیز ہَوا میں اُڑا دینا؛ تاکہ وہ ذرّات اور دُور دُور تک بکھر جائیں، یہ وصیت میں اس لیے کررہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر میں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ آ گیا تو مجھے اللہ تعالیٰ ایسا عذاب دے گا کہ ایسا عذاب دنیا میں کسی اور شخص کو نہیں دیا ہوگا؛ اس لیے کہ میں نے گناہ ہی ایسا کیا ہے کہ اُس عذاب کا مستحق ہوں۔

جب اُس شخص کا انتقال ہوا، تو اُس کے گھر والوں نے اُس کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے اُس کی نعش کو جلا دیا، پھر اُس کو ریزہ ریزہ کرکے ہَواؤں میں اڑا دیا، جس کے نتیجے میں اُس کے ذرّات دُور دُور تک بکھر گئے، یہ تو اُس کی حماقت تھی کہ شاید اللہ تعالیٰ میرے ذرّات کو جمع کرنے پر قادر نہیں ہوں گے۔

چناں چہ اللہ تعالیٰ نے ہَوا کو حکم دیا کہ اُس کے سارے ذرّات کو جمع کردو، جب ذرّات جمع ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اُس کو دوبارہ مکمل انسان جیسا تھا ویسا بنا دیا جائے؛ چناں چہ اُس کو دوبارہ زندہ کرکے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے اُس سے سوال کیا کہ تم نے

اپنے گھر والوں کو یہ سب عمل کرنے کی وصیت کیوں کی تھی؟

جواب میں اُس نے کہا: خَشْيَتُكَ يَارَبِّ! اے اللہ! آپ کے ڈر کی وجہ سے؛ اس لیے کہ میں نے گناہ بہت کیے تھے، اور اُن گناہوں کے نتیجے میں مجھے یقین ہوگیا تھا کہ میں آپ کے عذاب کا مستحق ہوگیا ہوں اور آپ کا عذاب بڑا سخت ہے، تو میں نے اُس عذاب کے ڈر سے یہ وصیت کی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ میرے ڈر کی وجہ سے تم نے یہ عمل کیا تھا، جاؤ میں نے تمہیں معاف کردیا۔

میرے دوستو! حقیقت کیا ہے؟ اصل میں یہ بندۂ خدا مرنے سے پہلے اپنے گناہوں پر شرمندہ اور نادم ہوگیا تھا؛ اس لیے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر رہا تھا، اور اللہ تعالیٰ کے ڈر نے اُس کو اِس وصیت پر مجبور کردیا، اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی شانِ رحمت کا مظاہرہ فرمایا کہ اُسے بندہ! تو جانتا تھا کہ میں تیرا رب ہوں، اور یہ بھی جانتا تھا کہ تو نے ہماری نافرمانی کی ہے اور نافرمانی پر تو شرمسار بھی تھا، اور نادم بھی تھا، اور تو نے اس ندامت کا اظہار بھی کردیا تھا؛ اس لیے ہم تجھے معاف کرتے ہیں۔

اِس واقعہ کو بیان کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت درحقیقت بندہ سے صرف ایک چیز کا مطالبہ کرتی ہے اور یہ ہے کہ بندہ ایک مرتبہ اپنے گناہوں پر سچے دل سے شرمسار ہوجائے، نادم ہوکر اُس وقت جو کچھ کرسکے کرگزرے، تو پھر اللہ تعالیٰ اُس کی توبہ قبول کرکے اُس کو معاف فرمادیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح معنیٰ میں اپنے گناہوں پر نادم ہونے اور توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، اور اپنی رحمت سے ہم سب کی مغفرت فرمائیں، آمین۔

بدبخت سے نیک بخت بننے کا نسخہ

اہل اللہ کی صحبت کا ادنیٰ فائدہ یہ ہے کہ اُن سے تعلق رکھنے والا گناہ پر قائم نہیں رہتا، توبہ کی توفیق ہوجاتی ہے اور شقاوت سعادت سے تبدیل ہوجاتی ہے، بخاری شریف کی روایت ہے: ”هُمُ الْجُلَسَاءُ لَايَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ“.

یعنی اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے پاس بیٹھنے والا محروم نہیں رہ سکتا، جیسے معزز مہمانوں کے ساتھ اُن کے ادنیٰ خادم کو بھی وہی اعلیٰ نعمتیں دی جاتی ہیں، جو معزز مہمان کے لیے خاص ہوتی ہیں، پس اہل اللہ کے جلیس وہم نشین کو بھی اُن کی برکت سے اللہ تعالیٰ محروم نہیں فرماتے؛ لیکن یہ رحمت اُس شخص کو فائدہ دے گی، جو یہ چاہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی اُس رحمت سے فائدہ اٹھاؤں، اب اگر کوئی شخص اُس رحمت سے فائدہ اٹھانا ہی نہ چاہے؛ بلکہ ساری عمر غفلت ہی میں گزار دے اور پھر اللہ تعالیٰ سے تمنا رکھے کہ اللہ تعالیٰ بڑا غفور ورحیم ہے، ایسے لوگوں کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الْکَیِّسَ مَنْ دَانَ نَفْسَہُ، وَعَمِلَ لِما بَعْدَ الْمَوْتِ، وَإِنَّ الْعَاجِرَ مَنْ أَتبعَ نَفْسَہُ ھَوَاھَا، وَتَمَنّیٰ عَلَی اللّٰہِ''اِس لیے صرف تمنا کافی نہیں۔ دانا وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد کے لیے عمل کرے، اور نادان وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے لگادے اور اللہ سے آرزوئیں باندھے رکھے۔

موت میٹھی ہے یا کڑوی؟

یہ تو چکھنے سے ہی پتہ چلے گا؛ لیکن قرآن وحدیث سے جو بات سمجھ آتی ہے وہ یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ نیک اعمال ہوں ظلم وستم نہ ہو، حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرے، تو ان شاء اللہ تعالیٰ موت میٹھی ہی میٹھی ہے؛ ورنہ موت کڑوی ہی کڑوی ہے۔ پھر مٹھاس اور کڑواہٹ کے درجے ہیں، جس درجہ کے اخلاص کے ساتھ جتنے اعمالِ صالحہ زیادہ ہوں گے اُتنی موت میٹھی اور خوش ذائقہ ہوگی اور گناہوں کے انبار جس قدر زیادہ ہوں گے موت کی کڑواہٹ اُسی حساب سے بڑھے گی؛ بلکہ کئی لوگوں کی کئی کئی سال تک موت کی کڑواہٹ ختم نہیں ہوتی۔ بہرحال کہا گیا ہے کہ موت ایک پُل ہے جو محبوب کو محبوب سے ملاتی ہے۔

(العاقبۃ فی ذکر الموت:۱/۲۹۲)

حدیث شریف میں ہے رسول اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مؤمن کا تحفہ موت ہے''۔ (شعب الایمان:۱۲/۲۹۲)

صوفیائے کرام کی سیاسی اور سماجی جدو جہد

حضرت مفتی اکرام اللہ صاحب شاہ جہان پوری

دنیا میں بہت سی چیزیں بعض خاص اسباب کی بنا پر بغیر علمی تنقید و تحقیق کے تسلیم کر لی جاتی ہیں اور اُن کو ایسی شہرت حاصل ہو جاتی ہے کہ جس کی کوئی علمی بنیاد نہیں ہوتی اور خواص بھی اِس میں گرفتار ہو جاتے ہیں، انہیں مشہورات بے اصل میں سے صوفیائے کرام کے بارے میں تعطل اور رہبانیت کا نظریہ ہے گویا کہ وہ دنیا سے بے خبر صرف اپنے حالات میں مگن انہیں دنیا و مافیہا سے کوئی سروکار نہیں؛ لیکن اس نظریہ کو تاریخ یکسر جھٹلاتی ہے آیئے اِسی کا تجزیہ ہم تاریخی شواہد سے پیش کرتے ہیں، غور فرمائیں ۔

طریقت بجز خدمت خلق نیست
نہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

تاتاریوں نے ۶۱۶ء میں جب تمام عالمِ اسلام کو پامال کر کے رکھ دیا، جلال الدین خوارزم شاہ کی واحد اسلامی سلطنت اور عباسی خلافت کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل ہوگیا، بغداد جیسے شہر میں چالیس دن میں ۱۸/لاکھ مسلمان شہید ہوئے، تمام عالمِ اسلام پر یاس و مردنی کی حالت چھاگئی چنگیز خاں اور ہلاکو خاں نے چاروں طرف ہلاکت مچادی اور تاتاریوں کی شکست ناممکن الوقوع چیز سمجھی جانے لگی اور یہ مثال زبان زد ہوگئی کہ: ”إِذَا قِيْلَ لَكَ أَنَّ التَّتَرَا انْهَزَمُوْا فَلَاتُصَدَّق“ (اگر تم سے کوئی کہے کہ تاتاریوں نے شکست کھائی تو کبھی تصدیق نہ کرنا) اُس وقت کچھ صاحبِ یقین اور اہل اللہ اُٹھے جو مایوس نہیں ہوئے تھے اپنے کام میں لگے رہے، یہاں تک کہ تاتاری سلاطین کو مسلمان کر کے صنم خانہ سے کعبہ کے لیے پاسبان مہیا کر دیے۔

اکبر بادشاہ کی سلطنت پورے عروج سے ہندوستان پر سایہ فگن تھی اور وہ الحاد و لادینیت سے اسلام کا امتیازی رنگ مٹانا چاہتا تھا، اُس کے ارکان میں لائق ترین اور ذکی ترین افراد

اِس مقصد کی تکمیل کے لیے موجود تھے، سلطنت میں کسی ضعف اور پیرانہ سالی کے اثرات دُور دُور تک نظر نہیں آرہے تھے کہ جس سے فوجی انقلاب کی امید کی جاسکے، اُس وقت ایک درویش بے نوا نے تنِ تنہا اِس انقلاب کا بیڑا اُٹھایا اور اپنے ایمان ویقین، عزم وہمت اور روحانیت وتوکل سے سلطنت کے اندر ایک ایسا اندرونی انقلاب شروع کیا کہ سلطنتِ مغلیہ کا ہر جانشین اپنے پیش رو سے بہتر ہونے لگا۔ آخر اکبر کے تختِ سلطنت پر محی الدین اورنگ زیب جیسا بادشاہ نظر آنے لگا، اس انقلاب کے بانی امامِ ربانی شیخِ طریقت حضرت احمد سرہندی مجدد الفِ ثانیؒ تھے۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ نظام الدین اولیاء اور شاہ عبد القدوس گنگوہی رحمہم اللہ وغیرہ کے دعوتی کارنامے تاریخ کے صفحات پر پڑھے جاسکتے ہیں اور اسی کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کی سرزمین میں تجدید واحیاء کی خدمات انجام دینے والے صوفیائے کرام ہر دَور میں موجود رہے ہیں اور انہوں نے دعوت وعزیمت کی راہ میں بے مثال قربانیاں پیش کیں۔ سندھ کی ابتداء جنگوں سے لے کر شاملی کے آخری میدان تک صوفیا کی جماعت میدانِ جہاد میں اعلائے کلمۃ الحق کے لیے سربکف نظر آتی ہیں؛ بلکہ اکثر مقامات پر انہوں نے مجاہدین کی قیادت کے فرائض انجام دیے ہیں۔ ؎

درکفے جامِ شریعت درکفے سندانِ عشق
ہر ہوسنا کے ندا ند جام وسنداں باختن

جب انگریزوں کی دَورِ غلامی سے آزادی کی جدوجہد شروع ہوئی جس میں علمائے عظام کا ایک بہت بڑا طبقہ بھی شامل تھا، اگر یہ کہا جائے کہ مسلمانوں نے ہی آزادی حاصل کی تو مبالغہ نہ ہوگا؛ لیکن شاملی کے قریب ایک چھوٹے سے قصبہ تھانہ بھون میں وہ مرد روشن ضمیر جس کی خانقاہ میں کسی بھی اخبار یا سیاسی باتوں کا تذکرہ قطعاً ممنوع تھا، اگر کسی مرید باصفا کے بارے میں معلوم ہوجاتا کہ وہ کسی تحریک کے ساتھ وابستہ ہے تو اوّلاً فہمائش اور پھر اپنے ارادات اور تعلق سے یکسر علیحدہ کردیتا، وہ اپنی فراستِ ایمانی سے یہ بتلا رہا تھا کہ جس کو تم آزادی کہہ رہے ہو کہیں گلے کا طوق نہ بن جائے اور ایمان

واسلام کا بچانا بھی مشکل ہو جائے۔ یہ مجددِ ملت حکیم الامتؒ کی فراستِ ایمانی تھی۔ زمانہ کے نشیب وفراز نے یہ بات ثابت کر دکھائی کہ موجودہ دَور کس بات کی نشاندہی کر رہا ہے، فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ۔

جو ہمیشہ مظلوم کی دستگیری کے لیے کمر بستہ رہا، مظلوم مسلکِ حنفیہ کی حدیث کی کتاب ''اعلاء السنن'' اور مظلوم شخصیت اورنگزیب عالمگیر، منصور حلاج کی اپنے قلم سے مدافعت کرتا رہا اور جہاد فی القلم ومجاہد فی سبیل اللہ کے فرض کو انجام دیتا رہا، اُس ذاتِ گرامی نے شریعت وطریقت کے امتزاج کو اِس طرح ثابت کیا جس سے عرفی پیروں اور خاندانی سجادہ نشینوں کی حفوات اور غلط سلط باتوں کو یکسر جدا کر دیا، یہ ایسا تجدیدی کام ہے جو عرصۂ دراز کے بعد وجود میں آیا۔

حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی (متوفی ۱۱۴۲ھ) اپنے خلیفۂ خاص شیخ نظام الدین کو تبلیغ واصلاح کے کام کے لیے دکن روانہ فرما رہے ہیں اور اُس وقت ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں جو اصلاً فارسی میں ہے اُس کا ترجمہ اور مفہوم ذکر کیا جا رہا ہے ملاحظہ فرمائیں:

''تم کو اللہ تعالیٰ نے دکن کی ولایت عطا فرمائی ہے، یہ کام پورے طور پر انجام دو، میں نے اس سے پہلے تم کو یہ لکھا تھا کہ لشکر میں جاؤ؛ لیکن اب یہ حکم ہے کہ جہاں کہیں ہو اعلائے کلمۃ الحق میں مصروف رہو، اُس میں اپنی جان ومال کو صَرف کر دو''۔ ایک مرتبہ شیخ نظام الدین نے ایک شخص کے لیے خلافت کی سفارش کی، تو جواب میں ارشاد فرمایا: ''جب تک اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کمرِ ہمت نہ باندھی جائے خلافت سے کیا فائدہ''۔

(مکتوباتِ کلیمی)

حضرت شاہ صاحب کے پُر درد الفاظ میں جہاں اُن کے قلبِ مضطر کی آواز پوشیدہ ہے وہیں خلافت وولایت کے منصب اور اُس کی حقیقت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اِن تصریحات کے بعد کیا کوئی صوفیائے کرام پر یہ الزام لگا سکتا ہے کہ وہ اپنی خودساختہ معرفت کے حصول کے لیے گوشہ نشین رہے اور انہوں نے اعلائے کلمۃ الحق کے لیے کوئی محنت نہیں کی یا للعجب۔

❑❖❑

دینی کام کرنے والوں کے لیے ہدایات

افاداتِ مفتی رشید احمد لدھیانوی

تبلیغ دین کے مختلف شعبے اور اُن کی ضرورت

جس طرح دنیا کی حکومتوں کو اپنے ملکی انتظام کے لیے اُمورِ انتظامیہ کو مختلف شعبوں میں تقسیم کرنا پڑتا ہے اسی طرح دینِ اسلام کی حفاظت کے لیے دینی کاموں کو مختلف شعبوں میں تقسیم کرنا لازمی ہے، کوئی شعبہ تعلیم وتدریس کا ہے، کوئی افتاء وتخریجِ مسائل کا، کوئی شعبہ اصلاح وتلقین کا، کوئی عوام میں وعظ وتبلیغ کا، کوئی شعبہ اسلحہ سے جہاد کا ہے، تو کوئی جہاد یعنی تصنیف وتالیف کا، یہ سب تبلیغ ہی کے شعبے ہیں۔

لہٰذا مختلف شعبوں میں صرف ایک شعبہ باقی رکھنے کا مشورہ دینا خلافِ عقل اور جہالت ہے۔

(۱) دین کے مختلف شعبوں میں اخلاص کے ساتھ دین کی حفاظت اور بقا کے لیے محنت کرتے رہنا بڑے ثواب کا کام ہے، اس کے لیے کسی مصلح کامل کے ساتھ باضابطہ اصلاحی تعلق قائم کریں، اخلاص پیدا کرانے کا اصل طریقہ یہ ہی ہے۔

(۲) جس شخص سے اللہ تعالیٰ دین کا بہت زیادہ کام لے رہے ہوں، اُسے ہروقت ہوشیار رہنا چاہیے، کہیں ایسا تو نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ خدمت قبول نہ ہو؛ مگر ڈھیل دے دی ہو؛ لہٰذا ہروقت ڈرتے رہنا چاہیے، اور استغفار ودعا کرتے رہنا چاہیے۔

(۳) جو شخص دوسروں تک دین پہنچا رہا ہو، اُس کا اصل مذاق یہ ہو کہ خلوت (تنہائی) میں اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے دل بے چین رہتا ہو؛ کیوں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت اور اصل مذاق یہ تھا: ''اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے خلوت کو محبوب بنادیا تھا''۔

(۴) جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اگر وہ قوانین (احکام) کی پابندی کرتے ہوئے دین کا کام

کرتے ہیں تو اُن کی دینی خدمات قبول ہیں اور اگر اپنے دل میں جو کچھ آیا، اُس کے مطابق کرلیا، قوانین (احکام) کی رعایت نہیں کرتے تو وہ اپنے نفس کے بندے ہیں، اللہ کے بندے نہیں۔

(۵) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تبلیغ کر کے دیندار بنانے اور فکرِ آخرت پیدا کرنے کی جتنی فکر اور کوشش آپ دوسروں کے لیے کرتے ہیں، اُس سے زیادہ فکر اور کوشش اپنے اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو دیندار بنانے پر کرنا زیادہ اہم اور زیادہ ضروری ہے۔

لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بہت کرنا؛ لیکن خود ان باتوں پر کتنا عمل ہے؟ معمولی معمولی مصلحتوں کی خاطر گناہوں کی مجالس میں شریک ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کی جتنی فکر دوسروں کے لیے ہے، اپنے لیے یہ فکر نسبتاً زیادہ ہو، خود بھی بنیں اور دوسروں کو بھی بنائیں؛ مگر اپنی فکر زیادہ ہو۔

(٦) ایک دعا کا معمول ہے، آپ حضرات بھی یہ دعا مانگا کریں:

''یااللہ! تیرا کوئی بھی بندہ دنیا کے کسی بھی کونے میں، تیرے دین کی کوئی بھی خدمت کررہا ہو، تو اُسے اخلاص عطا فرما، اپنی رضا کے مطابق کام کرنے کی توفیق عطا فرما، اُس کی خدمت کو قبول فرما، اُس میں برکت عطا فرما۔

یااللہ! پوری دنیا میں دین کے کام کرنے والوں کو خواہ وہ دنیا میں کہیں بھی دین کی کوئی بھی خدمت کررہے ہوں، اُن سب کو آپس میں محبت، اُلفت اور تعاون وتناصر کی نعمت وسعادت عطا فرما۔

آپس میں بغض، نفرت اور حسد کے عذاب سے حفاظت فرما۔

اللہ تعالیٰ ہمیں شرعی حدود کے تحت تبلیغ ودعوت کی ذمہ داری ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے''۔ (آمین)

❑❖❑

سلوک وتصوف

عزیز الرحیم دانش امدادی

سلوک وتصوف یا تزکیہ واحسان نہ تو دین وشریعت سے الگ کوئی چیز ہے اور نہ دین میں کوئی اجنبی شئے ہے؛ بلکہ کتاب وسنت کی شاہراہ پر اخلاص وعمدگی سے مسلسل چلتے رہنے کا دوسرا نام ہے۔ یہ وہ صراطِ مستقیم ہے جس پر ہر دَور کے انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین علیہم الرحمہ گامزن رہے اور اسی کی جانب وہ لوگوں کو دعوت دیتے رہے، اس شاہراہِ مستقیم میں جو دشواری اور پیچیدگی پیدا ہوئی اُس کے متعلق حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی رقم طراز ہیں کہ: ''لفظِ تصوف کے علاوہ دوسری چیز جس نے دینی حقیقت کو اور زیادہ غبار آلود کر دیا وہ پیشہ ورا ور جاہ طلب، حقیقت فروش، الحادِ شعار اور فاسد العقیدہ نام نہاد صوفی ہیں جنہوں نے دین میں تحریف کرنے، مسلمانوں کو گمراہ کرنے، معاشرہ میں انتشار پیدا کرنے، آزادی اور بے قیدی کی تبلیغ کرنے کے لیے تصوف کو آلۂ کار بنایا اور اس کے محافظ وعلمبردار بن کر لوگوں کے سامنے آئے، نتیجہ یہ ہوا کہ اہلِ غیرت اور اہلِ حمیت مسلمانوں کی ایک بہت بڑی جماعت اُن سے بدظن ہوگئی۔

کچھ غیر محقق صوفی ایسے تھے جو اس شعبہ کی روح اور اس کے حقیقی مقاصد سے ناآشنا تھے، وہ مقصد اور وسیلہ میں تمیز نہ کر سکے۔ بعض اوقات انہوں نے وسائل پر تو بہت اصرار کیا اور مقاصد کو نظر انداز کر دیا اور اس شعبہ یا اس فن میں ایسی چیزیں داخل کیں جن کا اس سے کوئی تعلق نہ تھا، اس کو فن کی روح اور فن کا کمال قرار دیا؛ بلکہ مقصود اور مطلوب سمجھ بیٹھے، غرض کہ اِس طرح انہوں نے اس مسئلہ کو اور پیچیدہ بنا دیا اور اس نزاع کو مختصر کرنے کے بجائے طول دے دیا، انہوں نے ان چیزوں کو جن کا مکلّف ہر مسلمان ہے اور جو دین کی روح وزندگی کی ضرورت ہے معمہ، فلسفہ اور رہبانیت بنا کر پیش کیا، جن کی ہمت صرف وہی شخص کر سکتا تھا جو ترکِ دنیا اور مادّی اسباب سے کنارہ کشی کا فیصلہ کر چکا ہو اور دنیا کی ساری نعمتوں سے دستبردار ہونا چاہتا ہو۔

ظاہر ہے ایسے لوگ ہر جگہ اور ہر زمانہ میں بہت کم ہیں، اس سے بڑھ کر یہ کہ نہ دین کا مطالبہ تھا نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت، نہ تخلیقِ انسانی کی حکمت، اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ہر دَور میں اور ہر ملک میں ایسے لوگ پیدا کر دیے، جو دین کو مبالغہ کرنے والوں کی تحریف، باطل پرستوں کی غلط بیانیوں اور جاہلوں کی تاویلات سے پاک وصاف اور عجمیت وفلاسفہ سے محفوظ کرتے رہے۔ بغیر کسی تاویل یا تحریف کے خالص تزکیہ کی دعوت دیتے رہے، جس کا نام احسان اور فقہ باطن ہے، انہوں نے اس طبِّ نبوی کی ہر زمانہ میں تجدید کا فرض انجام دیا، وہ امتِ اسلامیہ میں نئی روح اور نیا ایمان پیدا کرتے رہے، بندوں کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ، معاشرہ کا تعلق اخلاق کے ساتھ، علما کا تعلق للّٰہیت اور اخلاص کے ساتھ استوار کرتے رہے۔

ایک طرف وہ عوام میں خواہشِ نفس، دنیا پرستی اور مال واولاد کے فتنہ کا مقابلہ کرنے کی طاقت پیدا کرتے رہے، دوسری طرف انہوں نے خواص میں وہ ایمان ویقین اور روحانی قوت پیدا کی جس نے بادشاہوں کے انعامات اور تازیانے دونوں کا مقابلہ کیا اور اُن کے وعدوں واُن کی تعزیروں کا مقابلہ کرنے، جابر بادشاہوں اور حکمرانوں کے سامنے کلمۂ حق کہنے، اُمراء و بادشاہوں کا احتساب کرنے اور مادی مظاہر کی بے وقعتی وکفاف پر قناعت کی طاقت وصلاحیت پیدا کرتے رہے۔

انہی دینی اور تاریخی وتجدیدی شخصیتوں میں حضرت حکیم الامت تھانوی کا نامِ نامی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا کہ موصوف علیہ الرحمہ نے جہاں زندگی کے دیگر شعبوں یعنی عقائد، عبادات، معیشت ومعاملات اور معاشرت وحقوقِ باہمی سے متعلق تجدیدی کارنامہ سرانجام دیا، وہیں تصوف وسلوک کی شاہراہ کو خارزار اور جھاڑ جھنکاڑ سے صاف کیا اور اس مسئلہ کو ایسا حل کیا کہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہوگیا۔

فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى جَزَاءً ا حَسَنًا

حضرت سیّد نجم الحسن صاحب تھانوی لکھتے ہیں کہ: حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے یہاں کسی سلسلہ کی روایات تھیں نہ رسوم، نہ تعلیم وتربیت کی کورانہ تقلید کے انداز، نہ روایتی حلقے، توجہ نہ مراقبہ، بس اہتمام تھا تو شریعت کے احکام کی بجا آوری کا اور دُھن تھی تو ہر اندازِ زندگی میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے اتباع کی، فکر تھی تو نفس

وشیطان کے مکائد سے بچنے کی، اُن کے یہاں کیفیات، مکاشفات، منامات اور کرامات پر اتنا زور نہیں تھا جتنا کہ عقائد، عبادات، معاملات، سیاست اور طریقت کی درستگی پر تھا۔

فرمایا کرتے تھے کہ: بھائی! میں تو اپنی مجلس کو بزرگوں کی مجلس نہیں بنانا چاہتا، آدمیوں کی مجلس بنانا چاہتا ہوں۔ اور فرماتے: میں تو کہتا ہوں کہ بزرگ بننا ہو، ولی بننا ہو، قطب بننا ہو تو کہیں اور جاؤ، اگر انسان بننا ہو تو میرے پاس آؤ۔ اسی سلسلہ میں فرماتے کہ: انسان بننا فرض ہے، بزرگ بننا فرض نہیں؛ اس لیے کہ انسان نہ بننے سے دوسروں کو تکلیف ہوگی اور بزرگ نہ بننے سے اپنے کو تکلیف ہوگی۔

(الحسن لاہور بیادِ حکیم الامتؒ: ج ۱/ص ۱۱۱)

حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ: ''حضرت فرماتے تھے ہم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے تعلق اور اپنی بندگی کا یہ راز بتایا تھا کہ دیکھو اپنی روزمرہ کی زندگی میں یہ کرنا اور یہ نہ کرنا، یہ بات ہمیں پسند ہے یا ناپسند، یہ چیز حلال ہے اور یہ حرام، یہ چیز پاک ہے اور یہ ناپاک، دیکھو! اگر تم چاہتے ہو کہ ہم سے صحیح تعلق پیدا کرو، ہماری معرفت حاصل کرو اور ہماری محبت سے سرشار ہو تو پھر ہمارے محبوب نبی کی اتباعِ کامل کرو، پھر تو ہم خود ہی تم سے محبت کرنے لگیں گے، بتاؤ اِس سے زیادہ بڑی نعمت اور دولت تم اور کیا چاہتے ہو۔

یہ تھی ہمارے حضرت کی تعلیم وتربیت، فرماتے تھے دینِ متین ہی کے ظاہر وباطن کا نام شریعت وطریقت ہے، جس طرح ظاہری اعمال کے لیے احکاماتِ الٰہیہ، فرائض وواجبات ہیں، اسی طرح باطنی اعمال کے لیے بھی ہیں اور ہم دونوں کے ادا کرنے کے مکلّف ہیں۔

فرماتے تھے کہ اِس کے ساتھ ساتھ اور اِسی طرح ضروری ولازمی حقوق العباد ہیں تم پر اپنے والدین کے، اپنے بیوی بچوں کے، اپنے عزیز واقارب کے، اپنے احباب اور کاروباری تعلق رکھنے والوں کے حقوق بھی کماحقہٗ ادا کرنا فرض وواجب ہے، ان میں ذرا بھی کوتاہی کروگے تو تعلق مع اللہ کی تم کو ہَوا تک نہ لگے گی، چاہے عمر بھر ہی کیوں نہ مروّجہ رسمی تصوف کے مجاہدوں، نوافل اور وظائف میں سر مارو، خدا کی مخلوق کو ناراض کرتے ہوئے بھی خدا کو راضی کرلو!۔

این خیال است ومحال است وجنوں

❑ ❖ ❑

اسلام کی تبلیغ میں حسنِ اخلاق کا کردار

(ماخوذ)

اسلامی دنیا کے مشہور بزرگ حضرت سہل تستری رحمہ اللہ کو دنیا سے رخصت ہوئے زمانہ گزر چکا؛ لیکن اُن کی روشن زندگی کی ہر جھلک آج بھی روشنی دکھاتی ہے۔ حضرت کے پڑوس میں بالکل ہی دیوار کے نیچے ایک مجوسی رہا کرتا تھا، حضرت اپنے پڑوسی کے ساتھ ہر طرح حسنِ سلوک کرتے؛ لیکن پڑوسی نہ جانے کیوں حضرت سے بغض رکھتا تھا، دل کی جلن نکالنے کے لیے وہ روزانہ رات کے اندھیرے میں اپنی دیوار سے اپنے گھر کا کوڑا اور غلاظت حضرت سہل تستری رحمہ اللہ کے گھر میں ڈال دیا کرتا۔

حضرت سہل تستری رحمہ اللہ بھی ظاہر ہے انسان ہی تھے، اِس بدسلوکی پر تکلیف فطری بات تھی؛ لیکن طبیعت پر جبر کرتے، صبر سے کام لیتے اور خاموشی سے کوڑا وغلاظت اپنے ہاتھ سے اٹھا کر باہر پھینک آتے، عرصہ تک ایسا ہوتا رہا، مجوسی کوڑا پھینکتا رہا اور حضرت صاف کرتے رہے، اِس دَوران حضرت نے خاموشی سے مجوسی کو متوجہ کرنے کی کوشش بھی کی؛ لیکن وہ اپنی حرکت سے باز نہ آیا، حضرت یہ تکلیف سہتے رہے؛ لیکن جواب میں صبر اور خاموشی کے سوا کوئی اور حرکت نہیں کی۔

گھر والے زیادہ پریشان ہوتے اور کچھ کرنا چاہتے تو حضرت صبر کی تلقین کرتے اور رات ہی میں کوڑا کرکٹ اٹھا کر باہر پھینک دیتے؛ تاکہ گھر والے دیکھ کر مشتعل نہ ہوں۔

حضرت بیمار ہوگئے اور بچنے کی کوئی امید نہ رہی، تو آپ نے اپنے پڑوسی مجوسی کو بلوایا اور تنہائی میں اُس سے کہا بھائی! تم جو رات کو کوڑا کرکٹ پھینکتے تھے، میں صحت مند تھا اور میں رات ہی میں اُسے اٹھا کر پھینک دیا کرتا تھا، اب میں جس حال میں ہوں تم دیکھ ہی رہے ہو، خدا کے لیے اب تم ایسا نہ کرو؛ اس لیے کہ میرے بعد میرے گھر کے لوگ تمہاری اِس حرکت کو برداشت نہ کرسکیں گے اور اندیشہ ہے کہ وہ تمہیں کوئی سخت تکلیف پہنچادیں۔

میں نے زندگی بھر تمہاری اس حرکت کو برداشت کیا اب تم مان جاؤ۔

حضرت نے کچھ اِس انداز میں مجوسی سے بات کی کہ اُس کا دل بھر آیا، شرمندگی سے اُس نے سر جھکالیا اور بولا: حضرت! خدا کے لیے آپ مجھے معاف فرمائیں، میں نے واقعی آپ کو بہت ستایا اور آپ نے جس صبر وتحمل سے کام لیا وہ حقیقت میں آپ ہی کا حصہ ہے، میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ صبر کی یہ بے مثال قوت اسلام ہی کی عطا کردہ ہے۔

حضرت! مجھے معاف فرمایئے اور مجھے اسلام کا کلمہ پڑھایئے۔''

حضرت نے لرزتا ہوا ہاتھ مجوسی کی طرف بڑھایا، اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور لڑکھڑائی ہوئی زبان میں مجوسی کو کلمۂ شہادت پڑھایا: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اِس طرح دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے بھی حضرت ایک سخت دل مجوسی کو اسلام کی دولت سے مالا مال کر گئے، حضرت کے بے پناہ صبر وحسنِ سلوک نے مجوسی کا دل موہ لیا اور ایک مثالی مسلمان کا حسین کردار دیکھ کر اسلام کے لیے اُس کا دل کھل گیا۔

آپ جو کچھ کرتے ہیں اُسے ہر ایک کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے، آپ کا کوئی عمل، آپ کا کوئی سلوک، آپ کا کوئی معاملہ، آپ کی کوئی بات، آپ کا کوئی برتاؤ، فضا میں تحلیل ہو کر بے اثر نہیں ہو جاتا، آپ کی ہر حرکت آپ کے ساتھی اور پڑوسی پر اپنا اثر چھوڑتی ہے اور اس حرکت کو دیکھ کر وہ صرف آپ کے بارے ہی میں کوئی رائے قائم نہیں کرتا؛ بلکہ اُس دین کے بارے میں بھی رائے قائم کرتا ہے جس کا آپ دعویٰ کرتے ہیں۔ آپ کے قول وعمل کو دیکھ کر یا تو لوگوں کے دل اسلام کے لیے کھلتے ہیں یا وہ اسلام سے دُور ہوتے ہیں۔

مسلمان ہونے کے ناطے پڑوسیوں کا آپ پر یہ بھی حق ہے کہ وہ آپ کے گھر سے، آپ کے برتاؤ سے، آپ کے معاملے سے اور آپ کی گفتگو سے، اسلام کی روشن تعلیمات سیکھیں اور آپ کے اخلاق وکردار کو دیکھ کر وہ بے اختیار پکار اُٹھیں کہ یہ دین یقیناً حق ہے، جو ایسی پاکیزہ زندگیوں کو بناتا ہے۔

❑ ❖ ❑

کیا ہم بھی اسلام کی نمائندگی کا حق ادا کر رہے ہیں؟

(ماخوذ)

ایک غیر مسلم کسی اُونچے عہدے پر فائز تھے؛ گھر میں عیش وعشرت اور آرام وآسائش کا ہرسامان موجود تھا، اُونچی سوسائٹی میں عزت حاصل تھی، ایک دن یہی آفیسر گھر میں آئے تو اُن کی بیوی نے کہا: میں نے تو اسلام کا کلمہ پڑھ لیا، آپ بھی پڑھ لیجیے اور اپنے خدا سے ہی بندگی کا عہد کیجیے، آفیسر دیر تک اپنی بیوی کا منہ تکتے رہے پھر بولے آخر کیوں؟ اِس انقلاب کی وجہ؟ بیوی نے کہا: ہمیں دنیا کی ہر نعمت حاصل ہے، نہ زیور کی کمی ہے، نہ زرق برق لباس کی، پھر جن لوگوں سے ہمارا ربط ہے وہ بھی خوش حال اور دولت مند ہیں، میں جس تقریب میں بھی گئی بےفکری کے قہقہے سنے، زرق برق لباس دیکھے، سونے کے زیور دیکھے، عیش کے نغمے سنے؛ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ پھٹے کپڑوں اور ٹوٹی چپلوں میں آنے والی غریب دھوبن کی زندگی میں جو اطمینان، جو سکون اور خوشی میں نے دیکھی وہ مجھے کہیں دیکھنے کو نہیں ملی، میں اُس سے اُس کی پریشان حالی کی بات کرتی ہوں اور وہ نہایت اطمینان کے ساتھ مسکرا کر جواب دیتی ہے: خدا مالک ہے، اُس کا بڑا شکر ہے، وہ بڑا مہربان ہے، اُس کے شکر کا حق ادا نہیں ہوتا، بی بی کوئی فکر کی بات نہیں، سب کا خدا مالک ہے۔ اور میں سوچنے لگتی ہوں کہ جو خوشی اور اطمینان اُس غریب وخستہ حال دھوبن کو حاصل ہے، دنیا کی ہر چیز ہوتے ہوئے بھی مجھے وہ حاصل نہیں ہے، ضرور یہ اُس کے دین کی برکت ہے اور اُس کا دین واقعی خدا کا سچا دین ہے؛ اس لیے میں نے اپنے خدا کا کلمہ پڑھا اور اُس پر ایمان لائی، آپ بھی اپنے خدا کا کلمہ پڑھیں اور اُس پر ایمان لائیں۔

آپ نے دیکھا! پھٹے پُرانے کپڑے پہننے والی ایک غریب دھوبن بھی کوٹھیوں میں رہنے والیوں کو اسلام کی دولت سے مالا مال کر سکتی ہے۔ اسلام خدا کا دین ہے، اِس میں بڑی کشش ہے، بے پناہ تاثیر ہے اور جذب کرنے کی غیر معمولی قوت ہے۔ سوچیے کہ آپ کس طرح اسلام کی نمائندگی کا حق ادا کر رہے ہیں اور آپ کی زندگی سے اسلام کی کیا ترجمانی ہو رہی ہے؟

(خواتین کا صفحہ)

ایک دلہن کی قابلِ رشک موت

(ماخوذ)

سعودی عرب کے خوبصورت شہر ''ابھا'' میں ماضی قریب میں ایک لڑکی کی شادی تھی، مغرب کی نماز کے بعد اُس کا مقامی دستور کے مطابق سنگھار وغیرہ کیا گیا جیسا کہ دلہن کو سجایا جاتا ہے۔

اِسی اثنا میں اُس لڑکی نے عشا کی اذان سنی، بالکل اُسی وقت اُس کی ماں نے آکر بتایا کہ تیرا دولہا آگیا ہے؛ مگر لڑکی نے نیچے جانے سے پہلے عشا کی نماز پڑھنے کا فیصلہ کرلیا، لڑکی نے اپنی ماں سے کہا کہ میں وضو کر کے نماز پڑھنے لگی ہوں! لڑکی کی ماں حیرت سے اُسے دیکھتے ہوئے بولی: کیا تم پاگل ہو؟ مہمان تمھیں دیکھنے کے لیے انتظار کر رہے ہیں اور تمہارے میک اَپ و بناؤ سنگھار کا کیا ہوگا؟ یہ تو سارا پانی سے دھل جائے گا، میں تمہاری ماں ہوں اور تمھیں نماز نہ پڑھنے کا حکم دیتی ہوں۔ اور کہا واللہ! اگر تم نے ابھی وضو کیا تو میں تم سے ناراض ہو جاؤں گی! بیٹی نے کہا: اللہ کی قسم! میں بھی یہاں سے تب تک نہ جاؤں گی جب تک نماز ادا نہ کرلوں، میں کسی کو خوش کرنے کے لیے اپنے اللہ کی نافرمانی نہیں کرسکتی۔ اُس کی ماں نے کہا: ''مہمان تمھیں میک اَپ کے بغیر دیکھ کر کیا کہیں گے؟ وہ تمہارا مذاق اڑائیں گے اور تم کسی کو بھی اچھی نہیں لگو گی، ایسا کرنا اپنے گھر جا کر بعد میں نماز پڑھ لینا۔ لڑکی ماں کی بات سن کر مسکراتے ہوئے بولی: آپ اس لیے پریشان ہو رہی ہو کہ میں لوگوں کی نظر میں خوبصورت نہیں لگوں گی؛ لیکن میں تو اپنے پیدا کرنے والے کی نظر میں خوبصورت بننا چاہتی ہوں اور پھر آپ کیا میری زندگی کی ضمانت دے سکتی ہیں کہ میں دوسرے گھر جانے تک زندہ رہوں گی؟

لڑکی نے وضو کیا، جس کی وجہ سے اُس کا سارا میک اَپ اُتر گیا؛ لیکن اُسے میک اَپ

خراب ہونے کا کوئی افسوس نہیں تھا اور نہ ہی لوگوں کے اچھا بُرا کہنے کا کوئی خیال تھا؛ کیوں کہ اُسے لوگوں سے زیادہ اپنے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے سامنے سرخ رو ہونا تھا۔ اُس نے نماز شروع کی اور حالتِ سجدے میں وہ لطف پایا، جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے، اُسے تو پتا بھی نہیں تھا، کہ یہ اُس کی زندگی کا آخری سجدہ ہوگا!! جی ہاں! وہ لڑکی اُسی وقت حالتِ سجدہ میں اپنے خالقِ حقیقی سے جاملی۔

کیا خوبصورت اور قابلِ رشک موت تھی، وہ اللہ کو قریب کرنا چاہتی تھی۔ اللہ عزوجل نے اُسے اُسی حالتِ سجدہ میں اپنے قریب کیا جہاں ہر مسلمان اللہ کے قریب ترین ہوتا ہے۔

(حوالہ: العربیہ نیوز نیٹ)

ذرا سوچیے! اگر ہم میں سے کوئی اُس لڑکی کی جگہ ہوتی تو کیا کرتی؟ یقیناً نماز کو ہی مؤخر کیا جاتا کہ بعد میں آرام سے پڑھ لیں گے؛ مگر جسے آخرت کی فکر ہے اور جسے معلوم ہے کہ زندگی نہایت بے اعتبار شے ہے اور اُس کے آنے والے ایک پَل کا بھی بھروسہ نہیں ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاوا آنے پر بھی نماز مؤخر نہیں کرے گی، اِلَّا یہ کہ کوئی شرعی عذر ہو۔

بہرحال نہایت چھوٹے چھوٹے عذر جن کی وجہ سے ہم نماز جیسی اہم عبادت کو مؤخر کردیتے ہیں اور کبھی تو وقت نکل جاتا ہے اور نماز قضا تک ہوجاتی ہے، تو سوچیے کہ کیا ہم اِس طرح نادانستگی میں نماز کی اہمیت کم نہیں کررہے۔

اللہ ہمیں سمجھ عطا فرمائے اور اپنی محبت کا ذرّہ نصیب فرمائے اور ایسی شان دار موت نصیب فرمائے، (آمین)۔

❏ ❖ ❏

اخلاص

کسی بزرگ نے فرمایا کہ انسان کو چرواہے سے ادب واخلاص سیکھنا چاہیے۔ کسی نے عرض کیا کہ کس طرح؟ فرمایا: جب چرواہا بکریوں کے پاس نماز پڑھتا ہے تو اُس کو اِس کا خیال تک بھی نہیں آتا کہ بکریاں میری تعریف کریں گی، اِسی طرح بندہ کو چاہیے کہ وہ لوگوں کی تعریف و بُرائی سے بے نیاز ہوکر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے۔ (تنبیہ الغافلین: ۲۲)

سکون کا گُر

(ماخوذ)

دنیا میں اطمینان اور عافیت کا راستہ قناعت کے علاوہ کچھ نہیں ہے، یعنی جائز طریقے سے مناسب تدبیر کے تحت جتنا کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمادیا اُس پر مطمئن ہوجائے، زیادہ کی حرص اور ہوس نہ کرے، اِس کے علاوہ دنیا میں خوش رہنے کا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ مال ودولت کے انبار لگالو، بینک بیلنس کے انبار لگالو، کوٹھیاں بنالو، کاریں رکھ لو؛ لیکن اگر قناعت نہیں ہے تو اُن کوٹھیوں اور بنگلوں میں بھی سکون نہیں ملے گا، اس مال ودولت کے ڈھیر میں بھی سکون نہیں ملے گا۔

اور اگر قناعت کی دولت تمھیں حاصل ہے تو پھر یقین رکھو کہ چٹنی روٹی میں بھی تمھیں وہ مزہ آئے گا اور وہ اطمینان وسکون میسر آجائے گا جو بڑی بڑی کوٹھی، بنگلوں اور اعلیٰ درجے کے کھانوں میں بھی میسر نہیں آئے گا، اِس کا تجربہ کرکے دیکھ لو۔

پریشانی اس لیے ہوتی ہے تم نے پہلے سے اپنے ذہن میں یہ منصوبہ بنالیا کہ اتنی آمدنی ہونی چاہیے، جب اُتنی آمدنی نہیں ہوئی تو اب پریشانی شروع ہوگئی؛ لیکن اگر تم نے اپنا خرچ کم کرکے اپنی زندگی کو سادہ بنالیا، اور اپنے آپ کو اُس کے مطابق ڈھال لیا، اور یہ سوچ لیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کم دیا ہے تو کم پر گزارہ کرلوں گا، اور اگر زیادہ دیا ہے تو اُس کے مطابق گزارہ کرلوں گا، اور اس کے نتیجے میں اپنی آمدنی پر مطمئن ہوگئے، تو پھر بس راحت اور عیش کی زندگی گزرے گی، اس کا نام ''قناعت'' ہے۔

آج لوگ روپے پیسے کو دولت سمجھتے ہیں، کوٹھی، بنگلے اور مال واسباب کو دولت سمجھتے ہیں۔ یادرکھیے! ان میں سے کوئی چیز دولت نہیں، اصل دولت قناعت ہے۔ سامان کی کثرت اور مالداری کا نام غنا نہیں ہے؛ بلکہ نفس کے غنا کا نام مالداری ہے کہ انسان کا دل بے نیاز ہو، کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے، کسی کے سامنے اپنی حاجت ظاہر نہ کرے اور ناجائز طریقوں سے دولت جمع کرنے کی فکر نہ کرے، بس جو کچھ ملا ہوا ہے اُس پر مطمئن ہو اور جو کچھ نہیں ملا اُس پر یہ اطمینان ہو کہ وہ میرے حق میں بہتر نہیں تھا، اگر میرے حق میں بہتر ہوتا تو ملتا، نہیں ملا اللہ تعالیٰ کے نزدیک میرے لیے اِسی میں بہتری ہوگی۔

❑ ❖ ❑

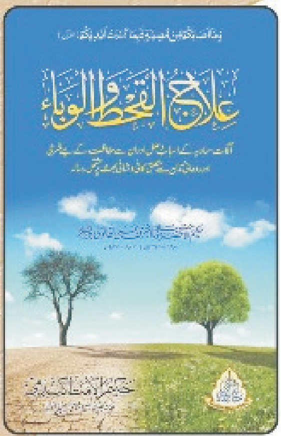

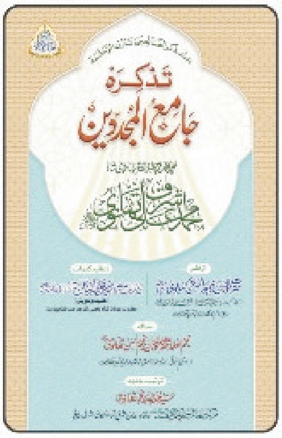

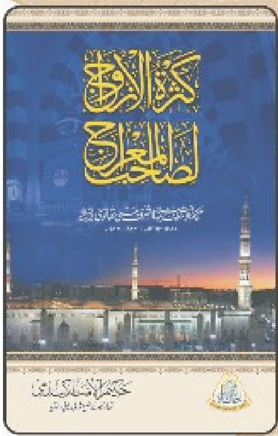
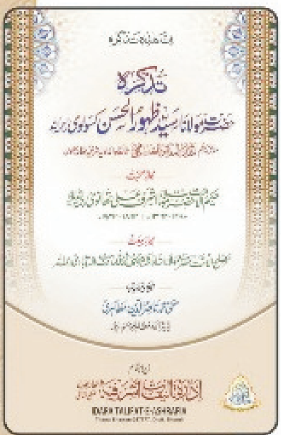

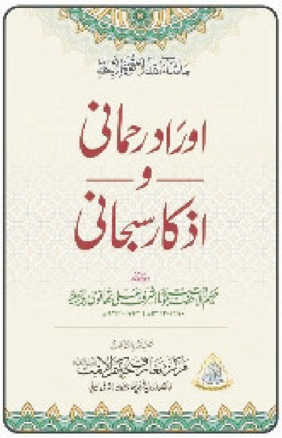

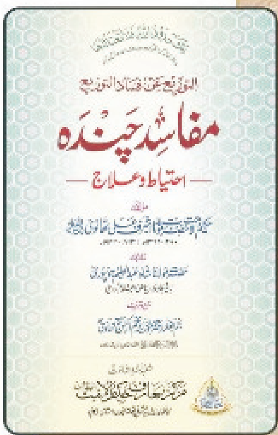

MADRASA IMDADUL ULOOM

Thana Bhawan- 247777, Distt. Shamli, U.P.

A/c No.: 31227677600 IFSC: SBIN0010155

Bank : State Bank of India, Thana Bhawan

Mobile: 9358612332 | 9568780000